ہندوستان میں اردو کی دستوری اور قانونی حیثیت

(قومی اردو سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ)

ترتیب

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی–110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تعداد :
سال اشاعت:
قیمت :
سلسلۂ مطبوعات:

Hindustan Mein Urdu ki Dastoori aur Qanooni Haisiyat
(Qaumi Seminar Mein Padhe Gaye Maqaalat ka Majmua)
Compiled by: Dr. Shaikh Aquil Ahmad

پیش لفظ

قانون اور اردو کے مابین ایک طویل عرصے سے اٹوٹ رشتہ رہا ہے اور یہ رشتہ آج بھی قائم ہے اور مابعد درج حقائق کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ رشتہ نا قابل انقطاع ہے۔ اردو آج بھی یونین علاقہ جموں و کشمیر کی سرکاری زبان ہے اور کئی دیگر ریاستوں کی ثانوی یا اضافی سرکاری زبان صرف یہی نہیں اسے ہندی، سنسکرت و دیگر زبانوں کے ساتھ بھارت کے آٹھویں جدول میں شامل کیا گیا ہے۔ اگر اردو کو آئینی درجہ بندی میں یہ مرتبہ نہ دیا گیا ہوتا اور ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں سہ لسانی فارمولہ نہ اپنایا گیا ہوتا تو اردو ثقافتی وابستگی کی اتنی طاقتور علامت بن کر ہمارے کثیر اللّسان ملک کی لسانی تکثیریت کے افق پر نہ ابھرتی۔

کوئی بھی زبان جو کسی بھی دور حکومت میں دفتری یا قانونی زبان رہی ہو وہ کبھی مٹ ہی نہیں سکتی۔ البتہ نظام حکومت یا ملک کی جغرافیائی صورت حال بدلنے کے سبب زمانۂ مستقبل میں اس کی اہمیت کم یا زیادہ ہوسکتی ہے۔ یہی اردو کے ساتھ ہوا۔ آئین میں دفعہ 343 شامل کر کے ہندی کو دیوناگری رسم الخط کے ساتھ یونین کی سرکاری زبان کا درجہ دے دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آئین کے بنیادی حقوق سے متعلق جز 3 میں دفعہ 29 شامل کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ بھارت کے علاقے میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے ہر طبقے کو جس کی اپنی الگ

جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔ یاد رہے کہ آئین میں شامل بنیادی حقوق کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو جسمانی نظام میں شہ رگ کی۔ واضعین دستور نے اس ضمن میں اپنی مزید فعالیت کا ثبوت دیتے ہوئے، دفعہ 351 شامل کر کے یہ بھی واضح کر دیا کہ اگرچہ ہندی زبان کو فروغ دینے کے لیے مخصوص ہدایات دی گئی ہیں لیکن ہندی زبان کو اس طرح فروغ دیا جائے گا کہ وہ بھارت کی مشترکہ تہذیب کے تمام عناصر کے لیے اظہار خیال کے ذریعہ کے طور پر کام آئے اور اس کے مزاج میں دخل انداز ہوئے بغیر ہندوستانی اور آٹھویں جدول میں شامل بھارت کی دوسری زبانوں میں استعمال ہونے والی تراکیب، اسلوب اور اصطلاحات کو جذب کر کے، جہاں بھی ضروری یا مناسب ہو، سنسکرت کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں سے اخذ کر کے اس کو مالا مال کرے۔ یہاں پر بھی واضعین نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ہندی اور دیگر زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔

ہم سب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ سلاطین اور مغل بادشاہوں کا دور فارسی کے غلبہ کا دور تھا جب کہ اردو ارتقائی مراحل سے گزر رہی تھی۔ فارسی کئی صدیوں تک ہندوستان میں عدالت کی زبان رہی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو نے بتدریج فارسی کی جگہ لے لی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہ صرف اردو بلکہ دیگر مقامی زبانوں کو بھی پوری پوری اہمیت دی تا کہ وہ مختلف علاقوں کے لوگوں کی کم از کم زبان کے حوالے سے خوشنودی حاصل کر سکے، ان سے بہتر روابط قائم کر سکے اور انگریز عدلیاتی افسران دعوؤں کے نفس موضوع اور پیش کی گئی دستاویزی شہادت کی قدر پیمائی و قانونی پرکھ کے بعد صحیح فیصلہ دے سکیں اور انصاف رسانی کے عمل میں بھی تیزی آئے۔ اردو برطانوی دور حکومت میں ایک طویل عرصہ تک ملک کے مختلف حصوں میں خاص کر شمالی ہندوستان میں عدلیہ و عاملہ کی زبان رہی۔ یوپی میں تو اردو تقسیم ہند سے قبل ایک طویل عرصہ تک عدلیہ و عاملہ کی واحد زبان تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سبھی لوگ اپنے بچوں کو اردو میڈیم سے تعلیم دلانا چاہتے تھے تا کہ وہ کوئی باوقار ملازمت حاصل کر کے عصری قومی دھارے میں شامل ہو کر ایک خوش حال زندگی گزار سکیں۔ یہ کسی ایک فرقے کی زبان نہیں تھی۔ کتنے ہی ہندو بچے اردو میڈیم اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہاں 1872 میں اودھ کے چیف کمشنر کے سکریٹری کی اس رپورٹ کا

حوالہ دینا بے محل نہ ہوگا جس میں انھوں نے یہ خلاصہ کیا تھا کہ اس وقت صوبے میں ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی لیکن رائج الوقت نصاب کا بیشتر حصہ ہندی، سنسکرت نہ ہوکر اردو، فارسی پر مشتمل تھا۔ اس وقت سرکاری اسکولوں میں 22,074 طلبا اردو، فارسی یا عربی پڑھ رہے تھے۔ جبکہ ہندی یا سنسکرت پڑھنے والے طلبا کی تعداد صرف 4 ہزار 959 تھی۔

جب کوئی زبان ایک بار سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تو ملک کے نقشۂ السنہ پر اس کے نقوش ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقسیم ہند کے وقت اپنے جغرافیائی قتل کے باوجود اردو آج بھی زندہ ہے اور جب تک ہندوستان کا قانونی وعدلیاتی نظام، جسے معاصر دنیا کے نظام ہائے قوانین میں ایک منفرد حیثیت حاصل ہے، قائم ہے، اردو کو جو کئی صدیوں تک عملی طور پر عدلیہ اور عدل گستری کی زبان رہی ہے، کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے عوام میں قانونی بیداری پیدا کرنے کے لیے سرکاری، نیم سرکاری ونجی اداروں کی جانب سے کی جانے والی کوششوں میں تیزی آ رہی ہے ویسے ویسے قانونی ادب کو قدرے اہمیت دی جانے لگی ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان بھی قانون سے متعلق ایک درجن سے زائد کتابیں شائع کر چکی ہے اور وزارت قانون کے تعاون سے اس نے کئی سو مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور کتنے ہی مرکزی قوانین کا مستند متن شائع ہو چکا ہے جو کونسل کے شعبۂ فروخت میں رعایتی قیمت پر با آسانی دستیاب ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر قلم بند کیا، کوئی بھی زبان جو کسی بھی دور حکومت میں دفتری یا قانونی زبان رہی ہو وہ کبھی نہیں مٹ سکتی، اس کا معتبر دستاویزی ثبوت یہ ہے کہ آج بھی پولیس اور مالگزاری کے ریکارڈ میں اردو کے الفاظ باقاعدہ استعمال کیے جا رہے ہیں جبکہ ہندی کو سرکاری درجہ حاصل ہے۔ پولیس ریکارڈ میں فرد مقبوضگی، آلۂ جرم، پارچات خون آلود، فرد جامہ تلاشی جیسے الفاظ دیوناگری رسم الخط میں ہی سہی آج بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ اسی طرح مالگزاری کے ریکارڈ میں جمع بندی، بیع نامہ، کرایہ نامہ، رہن نامہ جیسے الفاظ باقاعدہ استعمال ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ چونکہ اس ریکارڈ کی اس کے تلف ہونے تک اور یہاں تک کہ تلف ہونے کے بعد بھی اس کی نقول کی بغرض شہادت اہمیت باقی رہتی ہے اور ان دستاویزات کو ان کے اصل رسم الخط میں ہمیشہ ہمیشہ پیش کیا جاتا رہے گا۔ ہماری عدالتوں میں آج بھی مغلیہ سلطنت کے دور کے فرمان اپنے

اصل رسم الخط میں بطور شہادت پیش کیے جارہے ہیں۔صرف یہی نہیں مرکزی حکومت کی وزارت قانون وانصاف کی آفیشل لینگویجز ونگ بھارت کے آئین اور کئی سو مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ کرچکی ہے اور کونسل وزارت قانون کی جانب سے انھیں باقاعدگی کے ساتھ شائع کررہی ہے۔

کونسل نے 'ہندوستان میں اردو کی دستوری اور قانونی حیثیت، کے عنوان سے قومی اردو سیمینار کا انعقاد مارچ 2017 میں کیا تھا جس میں ملک کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین قانون، وکلا اور شعبۂ قانون سے وابستہ دیگر مندوبین نے اپنے مقالات پیش کیے اور اردو کی دستوری وقانونی حیثیت اور اس کے تعین کے حوالے سے بہت سے اہم نکات پر گفتگو کی۔ یہ کتاب اس سیمینار میں پیش کردہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ان مقالات میں اردو کی آئینی اور قانونی حیثیت، عدالتی زبان کی حیثیت سے اردو کا ارتقا اور دوامی معنویت، اردو میں قانونی ادب کے فروغ کے لیے مرکزی حکومت کے عملی اقدامات، عدالتوں میں اردو کا استعمال، مسابقتی امتحانات میں اردو کی اہمیت، قانون کی تاریخ اور ہندوستان کے نظام تعلیم میں اردو کا رول وموزونیت، اردو سے متعلق نظیری قوانین، عدلیاتی اداروں، سرکاری اور نجی سیکٹر میں روزگار کے مواقع جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔اردو کی آئینی وقانونی حیثیت کے حوالے سے یہ تمام موضوعات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس سیمینار میں پڑھے گئے مقالات میں جن مسائل کی جانب حکومت وقت و دیگران کی توجہ مبذول کرائی گئی تھی ان میں سے کچھ مسائل کا اصلاحی یا عقبی کارروائی کے ذریعے حل نکالا جاچکا ہے اور کچھ ایسے فیصلے کیے گئے ہیں جن کے سبب صورت حال بدل گئی ہے جیسے National Eligibility Cum Entrance Test-NEET میں سوالات کے جوابات اردو میں لکھنے کی اجازت، ریاست جموں وکشمیر کو یونین علاقہ قرار دینا وغیرہ۔

مجھے امید ہے کہ علم دوست احباب اور قانونی ادب سے دلچسپی رکھنے والے افراد کو یہ کتاب ضرور پسند آئے گی۔اس کی ترتیب اور اشاعت میں قومی اردو کونسل کے عملے کا تعاون شامل رہا ہے۔ان سب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈائرکٹر

فہرست

● کلیدی خطبہ — پروفیسر فیضان مصطفیٰ — IX

پہلا باب مرکزی/ریاستی قوانین اور قانونی مواد کی اردو میں دستیابی

1 عدالتی زبان کی حیثیت سے اردو کا ارتقا اور دوامی معنویت — پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم — 3

2 ریاست جموں وکشمیر کی عدالتوں میں اردو کا استعمال — پروفیسر سید محمد افضل قادری — 19

3 اردو کی دستوری وقانونی حیثیت کا تعین اتر پردیش ہندی ساہتیہ سمّیلن کے فیصلے کی روشنی میں — پروفیسر محمد ظفر محفوظ نعمانی — 27

4 قانون کی تاریخ اور ہندوستان کے نظام تعلیم میں اردو کا رول اور موزونیت — پروفیسر شوکت اللہ خان — 53

دوسرا باب انتظامیہ اور عدلیاتی و نیم عدلیاتی اداروں میں اردو کی معنویت

1	اردو اقلیتی مسائل سے متعلق نظیری قوانین	مشتاق احمد	73
2	عدالتوں میں اردو زبان کا استعمال	وی ۔کے۔مہیشوری	89
3	اردو میں قانونی ادب کے فروغ کے لیے مرکزی حکومت کے عملی اقدامات اور مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ واشاعت	مصباح الدین صدیقی	95
4	ریاست جموں وکشمیر کے قوانین کی ڈرافٹنگ	تیج بہادر ہانڈو	103
5	ہندوستان میں اردو کی دستوری وقانونی حیثیت	خلیل احمد	109

تیسرا باب اردو کا فروغ اور اردو جاننے والوں کے لیے روزگار کے مواقع

1	مسابقتی امتحانات میں اردو کی اہمیت	شمیم الدین	119
2	سرکاری اور نجی سیکٹر میں اردو داں افراد کے لیے روزگار کے مواقع	حسن ضیا	127
3	قانونی افسران و پیشہ وران اور اردو	سید ساجد علی	133
4	کارپوریٹ سیکٹر میں اردو کی اہمیت	سعود احمد	141

کلیدی خطبہ

اک وہ کہ زبانوں کی رسائی سے ہے بالا
اک میں کہ مجھے ٹھیک سے آتی نہیں اردو

میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے عہدے داران کا مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے ہندوستان میں اردو کی آئینی اور قانونی حیثیت سے متعلق دوروزہ سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرنے کے لیے مدعو کیا ہے۔ میں نے راہ فرار تلاش کرنے کی حددرجہ کوشش کی مگر پروفیسر ارتضیٰ کریم کہاں ماننے والے تھے؟ میں ان کا مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھ پر بھروسہ کیا جب کہ اس سیمینار کا موضوع نہ تو میری ماہرانہ صلاحیت کی حدود میں آتا ہے اور نہ دلچسپی کی۔

میرے لیے ہندوستان کے عائلی قوانین کے عظیم ترین ماہر و استاد اور جانے مانے اردو مصنف و شاعر پروفیسر طاہر محمود کی موجودگی میں خطاب کرنا بہت مشکل کام ہے:

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

پروفیسر طاہر محمود نہ صرف میرے استاد رہے ہیں بلکہ وہ میرے لیے ایک مثالی شخصیت بھی ہیں۔ وہ میرے لیے ہمیشہ تحریک وترغیب کا ذریعہ رہے ہیں اور انھوں نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ انسانی معاشرے میں زبان ہمیشہ جذباتی وابستگی کا ذریعہ رہی ہے۔ یہ زبانیں ہی ہیں نہ کہ مذاہب، جن کی بنیاد پر قومیں وجود میں آتی ہیں۔ بنگلہ دیش کا وجود میں آنا دوقومی نظریہ کی ناکامی کا بین ثبوت ہے۔ یہ زبان ہی ہے جو لوگوں کو جوڑتی ہے۔ اردو زبان کو ہندوستان میں ایک مخصوص مقام حاصل رہا ہے۔ اردو زبان جذبات اور خیالات کو باطنیت کے جلال و جمال سے نکال کر نکہت، رفاقت، موسیقی، رغبت حیات اور انسانی رشتوں کے وسیع سلسلہ کی جذباتی اور فطری نوعیت کی جانب لے جاتی ہے۔ اس کا گراں مایہ ادب اور اس سے وابستہ دانش وحکمت زندگی کی اسراریت سے متعلق نیک خیالات کا مخزن ہے:

شہد و شکر سے شیریں اردو زباں ہماری
ہوتی ہے جس کے بولے میٹھی زباں ہماری

اردو ہمارے ملک کی زبانوں میں سے محض ایک زبان ہی نہیں بلکہ یہ تو بجائے خود ایک تہذیب اور ثقافت ہے۔ یہ تو ہم سب ہندوستانیوں کی مشترکہ ثقافت کی مظہر ہے اور ہم سب کو اپنی مشترکہ ثقافت پر فخر ہونا چاہیے۔ یہ عبرانی، عربی یا سنسکرت کی طرح کسی مقدس کتاب کی زبان نہیں:

اپنی اردو تو محبت کی زباں تھی پیارے
اب سیاست نے اسے جوڑ دیا مذہب سے
بات کرنے کا حسیں طور طریقہ سیکھا
ہم نے اردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

اردو کا وسیع وضخیم ادب، رومانی شاعری اور ثقافتی ورثہ ایسے اثاثے ہیں جو کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتے۔ کہیں کہیں جنونی وطن پسند ماہرین لسانیات اور اردو دشمن عناصر نے انھیں زک پہنچانے کی کوشش ضرور کی مگر وہ ناکام رہے۔ اس قول میں کافی صداقت ہے کہ کسی بھی زبان اور اس کے ادب کو گراں قدر ورثہ کا درجہ حاصل ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقت کے لیے اس کی اہمیت کم ہوجائے یا وہ آنکھوں سے اوجھل ہوجائے۔ کسی زبان کی

نمایاں خصوصیات، اس کی دلکشی اور ہفت رنگی ان لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لیے کافی ہے جو اس کے احیا کے خواہاں ہیں۔ اردو کے احیا کا قوی امکان ہے چونکہ نئی نسل یعنی ہمارے نوجوان اردو کی ویب سائٹوں میں جیسے ریختہ، داستان گوئی اور صوفیانہ موسیقی میں کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔ ٹوم آلٹر، جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہوا ہے، اردو بولتے اور لکھتے بھی تھے۔ ان کی دو کتابیں بھی اردو میں شائع ہوئی ہیں۔ دراصل کسی زبان کا اس کے ورثہ کے ہمراہ زوال ایک تہذیب کا زوال ہے۔ کیا کوئی بھی سمجھدار قوم اپنی ثقافت اور وراثت کا زوال چاہے گی؟ کون اس بنیادی حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ تہذیب کی بقا کے لیے ثقافت کا تحفظ لازمی ہے۔ گلزار صاحب نے صحیح ہی کہا ہے:

بڑی شائستہ لہجہ میں کسی سے اردو سن کر
کیا نہیں لگتا کہ تہذیب کی آواز ہے اردو

کئی دہائی قبل ہندی کے بلند مرتبہ شاعر رام دھاری دنکر نے بمبئی میں اپنے ایک خطاب میں اپنی شاعری کے ارتقا کی بابت کچھ حیران کن انکشافات کیے تھے۔ انھوں نے بے باکی کے ساتھ یہ بات کہی تھی ''میں نے اپنے شاعرانہ سفر کے دوران ٹیگور اور اقبال کو پڑھا اور میں دونوں کے درمیان اس طرح جھولتا رہا جس طرح گھڑی کا پینڈولم جھولتا ہے۔'' اردو نے ہندی ادب کو عوام کے قریب لانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہندی ادب اس کے لیے اردو کا مرہون منت ہے۔ طاہر محمود صاحب نے صحیح ہی کہا ہے کہ اردو اب بھی بولی جانے والی زبان ہے۔ اس کا صرف رسم الخط ہی ہندی سے جدا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم لکھتے تو ہیں ہندی مگر بولتے ہیں اردو۔

گاندھی جی نے بھی ہندوستانی کے کاز کی حمایت کر کے اردو اور ہندی کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کی۔ انھوں نے اردو کو ہندوستان کی پہچان اور اس کی میراث سمجھا۔ گاندھی جی کا اردو کے تئیں پیار اور ہندوستانی کی حمایت ہی تھی جس کے سبب ناتھورام گوڈسے نے، جو ہندوستانی کو قومی زبان کا درجہ دینے کے خلاف تھا، ان کی جان لے لی۔ یہ اچھی بات نہیں ہے کہ ہم گوڈسے کی تعظیم کے لیے گاندھی جی کے قتل کے معاملے کو پھر سے صرف اس لیے کھولیں کہ گاندھی جی کے قتل کا الزام کسی اور کے سر جائے۔ گوڈسے نے عدالت کے روبرو اپنے

حلفیہ بیان میں صاف طور پر یہ کہا تھا کہ وہ گاندھی جی کی زبانوں سے متعلق پالیسی اوران کی اردو کے تئیں حمایتی روش کے سبب ان کا مخالف تھا۔

گاندھی (جی) کی مسلم موافق پالیسی صاف طور پر غلط تھی اورانھوں نے ہندوستان کی قومی زبان کے سیاسی سفر حیات میں ہندی کی پرزور حمایت کی لیکن بعد میں جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو یہ پسند نہیں تو انھوں نے ہندوستانی کے کاز کی حمایت شروع کر دی۔ ہر ہندوستانی جانتا ہے کہ ہندوستانی کوئی زبان ہی نہیں ہے۔ اس کے نہ قواعد ہیں اور نہ ذخیرۂ الفاظ۔ یہ محض ایک بولی ہے، یہ صرف بولی جاتی ہے، لکھی نہیں جاتی۔ یہ ایک دوغلی بولی ہے جو ہندی اوراردو کے خلط ملط ہونے کے سبب وجود میں آئی اور یہ مہاتما کی پرشکوہ لفاظی کے باوجود بھی مقبول عام نہ ہوسکی۔ لیکن گاندھی (جی) اس کے باوجود مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے اس بات پر زور دیتے رہے کہ ہندوستان کی قومی زبان ہندوستانی ہی ہونی چاہیے۔ ان کی اندھی تقلید کرنے والے ان کی حمایت کرتے رہے اور یہ نام نہاد دوغلی زبان استعمال میں آنے لگی۔ اس طرح مسلمانوں کو خوش کرنے اور ہندی کی دلکشی اور نفاست کو زک پہچانے کے لیے ایک معیوب راہ اختیار کی گئی۔

میں نے آج مہاتما کے قتل کے معاملے میں گوڈسے کے بیان اوراس کی مسلمانوں اور اردو سے نفرت کا ذکر کیوں کیا؟ اس کی وجہ گوڈسے نے اپنے اس شدید جرم کے ارتکاب کے لیے خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جو صفائی پیش کی تھی اس کی چار ہفتہ قبل اس وقت یاد تازہ ہوگئی جب اتر پردیش کی نئی منتخب قانون ساز اسمبلی میں دو مسلم اراکین عالم بدیع اور نفیس احمد نے اردو میں حلف لیا لیکن وقتی اسپیکر فتح بہادر نے ان کے اس حلف کو نامنظور کر دیا اور انھیں ہندی میں حلف لینے کے لیے مجبور کیا گیا لیکن اسی تقریب میں جب بی جے پی کے 13 ارکان نے سنسکرت میں حلف لیا تو کسی نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ ان کے سنسکرت میں لیے گئے حلف کو تو منظور کر لیا گیا لیکن اردو میں لیے گئے حلف کو منظور نہیں کیا گیا اور اسے نامنظور کرنا وقتی اسپیکر کی قانونی مجبوری بھی تھی اور وہ اپنی جگہ حق بجانب تھے چونکہ کام کاج کے قواعد (Rules of Procedure) کے قاعدہ 282 میں واضح طور پر یہ التزام ہے: ''آئین کی توضیعات کے تابع، اسمبلی کی کارروائی ہندی زبان میں دیوناگری رسم الخط میں ہوگی۔'' اس قاعدے کے تحت دونوں مسلم اراکین کے حلف کو

نامنظور کر دیا گیا لیکن کسی نے یہ کہنے کی ہمت نہیں جٹائی کہ ہندی اور سنسکرت دو الگ الگ زبانیں ہیں۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے اور میں دستوری قانون کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اس باوقار مجمع سے ایک آسان سا سوال پوچھتا ہوں۔ کیا بھارت کے آئین میں ہندی اور سنسکرت کو دو مختلف زبانوں کے طور پر نہیں رکھا گیا ہے؟ آئین کے آٹھویں جدول میں ہندی کو 4 نمبر پر رکھا گیا ہے اور سنسکرت کو 14 نمبر پر۔ صرف اس دلیل کی بنیاد پر کہ دونوں زبانوں کا رسم الخط دیوناگری ہے، ہندی اور سنسکرت کی علیحدہ شناخت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اردو اور فارسی ایک زبان ہیں۔

میں یہاں یہ بات واضح کرنا چاہوں گا کہ میں سنسکرت کا مخالف نہیں ہوں۔ چونکہ اتر پردیش میں ہمارے یہاں اردو نہیں پڑھائی جاتی تھی اس لیے میں نے خود دسویں جماعت تک سنسکرت پڑھی۔ اس سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ سنسکرت عظیم کلاسیکی زبانوں میں سے ایک ہے اور یہ نہایت گراں قدر ادب سے مالا مال ہے۔ آئین ساز اسمبلی کے ایک اہم رکن نذیر الدین نے تو سنسکرت کو قومی زبان کے طور پر تسلیم کیے جانے کی ایوان میں بھی وکالت کی تھی۔ انھوں نے سر ولیم جونس کے اس قول کا حوالہ بھی دیا تھا۔ سنسکرت کی ہیئت حیرت انگیز ہے، یہ یونانی زبان سے بھی زیادہ جامع، لاطینی زبان سے زیادہ ہمہ گیر اور دونوں سے زیادہ شائستہ زبان ہے۔

انھوں نے مزید یہ دلیل دی تھی کہ سنسکرت کو مشکل زبان ہوتے ہوئے بھی قومی زبان قرار دیا جائے چونکہ اگر یہ مشکل ہے تو یہ سب کے لیے اتنی ہی مشکل ہے۔ اسمبلی کے 27 اراکین نے ان کی حمایت کی۔ اس میں ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر بھی شامل تھے۔ یہ بات دوسری ہے کہ دستوری قانون کے ماہر GranvilleAustin کا کہنا تھا کہ سنسکرت کو قومی زبان قرار دینے سے متعلق تجویز کا بنیادی مقصد سامراجی سوچ رکھنے والے ہندی کے جنونی وطن پرست حامیوں سے لڑنا تھا۔ گاندھی جی اور نہرو دونوں ہی اس سوچ کے مخالف تھے۔ لسانیاتی تعصب کی مذمت کرتے ہوئے نہرو نے صاف صاف کہا تھا۔ اگر آپ زبان کی بنیاد پر علیحدگی پسند کسی شخص کو اندر سے ٹٹول کر دیکھیں گے تو آپ ہمیشہ یہ پائیں گے کہ وہ فرقہ پرست ہے اور بسا اوقات رجعت پسند بھی۔

آئین ساز اسمبلی کے روبرو جو سب سے پیچیدہ مسائل تھے ان میں ایک مسئلہ زبان کا

بھی تھا۔ اسمبلی نے گاندھی جی کی، جو ہندوستانی کو دیوناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھے جانے کے زبردست حامی تھے، صلاح کو نہیں مانا۔ انھوں نے کانگریس پر اس بات کے لیے بھی زور دیا کہ وہ اس سے متعلق اپنی 1925 کی تجویز پر قائم رہے۔ اس تجویز میں یہ التزام کیا گیا تھا کہ کانگریس کی تمام کارروائی، جہاں تک ممکن ہو، ہندوستانی میں ہوگی۔ اگر اسپیکر ہندوستانی بولنے سے قاصر ہوں یا جب بھی ضرورت پڑے تو انگریزی یا کسی صوبائی زبان کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ موتی لعل نہرو رپورٹ میں بھی یہی بات کہی گئی تھی اور اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہندوستانی کو، جو اس وقت آدھے ہندوستان کی زبان ہے، اسے پورے ملک کی عام زبان بنانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ رپورٹ میں اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا تھا کہ ثقافت کا انحصار زبان پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آئین کے مسودہ میں بھی زبان سے متعلق کوئی توضیع نہیں تھی البتہ اس میں یہ التزام تھا کہ پارلیمنٹ کی زبان ہندوستانی یا انگریزی ہوگی اور صوبائی مقنّنہ میں بھی ان زبانوں کا صوبائی زبانوں کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ اسمبلی کی منظوری کے بغیر ڈرافٹنگ کمیٹی نے ہندوستانی کو بدل کر ہندی کیوں کر دیا۔

آئین کا مسودہ متعلقین کو بھیجے جانے پر سدانند سنہا نے لفظ ہندوستانی کو پھر سے رکھے جانے کے لیے ایک ترمیم پیش کی لیکن وہ سعی لا حاصل ہو کر رہ گئی۔ کانگریس کی اگست 1949 کی لسانیاتی پالیسی کی تجویز میں بھی ہندی کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ 29 اگست، 1949 کو جب اس معاملہ پر آئین ساز اسمبلی میں پھر سے بحث ہوئی تو زبردست بحث و مباحثہ ہوا اور بقول ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر (Thoughts on Linguistic States)، گووند داس اور داس گپتا کی مسودہ کی بابت آرا کو برابر برابر حمایت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ ہندوستان ٹائمز نے بھی یہی رپورٹ شائع کی تھی۔ ایک لمبی بحث کے بعد جب اس معاملہ میں ووٹنگ کرائی گئی تو بھی دونوں یعنی حامیوں اور مخالفین کو برابر برابر ووٹ ملے۔ جب دوبارہ یہ معاملہ اجلاس میں ووٹنگ کے لیے رکھا گیا تو نتیجہ 77 کے مقابلہ میں 78 رہا اور ہندی نے صرف ایک ووٹ زیادہ حاصل کر کے سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر لیا۔ جے۔ آر کپور اور Granville Austin جیسے مصنفین نے اس ایک ووٹ والی بات کو نہیں مانا۔ ان کا کہنا ہے کہ ووٹنگ کانگریس کے اجلاس میں ہوئی تھی اور وہ بھی ہندی

ہندسوں کے محدود استعمال کی بابت ۔ یہاں نتیجہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی کہ اسمبلی کے ارکان کی اظہار کردہ آراء کی جو زیادہ اہم اور پیغام رساں ہیں۔ان کے بیانات سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ اردو سے نفرت صرف گوڈسے جیسے متعصب ہندوؤں کو ہی نہیں تھی ۔ دریں صورت ہمیں آج کے دائیں بازو کے خیالات کے حامی ہندوؤں کے خلاف الزام تراشی کا سلسلہ بند کر دینا چاہیے بلکہ ہمیں ان دونوں کے یعنی ماضی اور دور حاضر کے اس قسم کے ہندوؤں کی خواہشات میں جو یکسانیت ہے اسے سمجھنا چاہیے جیسے ایک قوم، ایک زبان،ایک مذہب اور ایک قانون یعنی یکساں سول کوڈ وغیرہ۔ ہماری جمہوریہ میں دائیں بازو کے خیالات کے حامی گروپ کا ہدف شروع سے ہی یکسانیت تھا نہ کہ مختلف النوعیت یا کثرت الوجود ۔ کثرت میں وحدت کی باتیں محض ایک دکھاوا تھیں۔

آئین ساز اسمبلی میں خود سیٹھ گووند داس نے کہا تھا کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے جہاں اقلیتوں کے مذہب پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ ہندوستانی کلچر میں assimilate یعنی ضم ہو جائیں نہ کہ integrate یعنی یکجا ہو کر کل کا ایک حصہ بن جائیں،(آئین کی تمہید (Preamble) میں لفظ integrity یعنی اتحاد آئین کی 42 ویں ترمیم کے ذریعہ 1976 میں شامل کیا گیا تھا) جس طرح مسلمانوں نے دنیا کے دیگر حصوں میں کیا ہے۔ انھوں نے چین اور روس کی مثال دے کر بتایا کہ ان دونوں ممالک میں مسلمان اکثریتی فرقہ کی زبان بولتے ہیں اور ان جیسے نام رکھتے ہیں۔ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''ہم نے اپنے ملک کو ایک سیکور مملکت مانا ہے لیکن ہم نے کبھی بھی یہ نہیں سوچا کہ ہماری اس قبولیت کا معنوی طور پر یہ مطلب نکال لیا جائے گا کہ ہم نے الگ الگ کلچر (زور دیا گیا) برقرار رکھنے کی بات کو تسلیم کر لیا۔ ہزاروں سال سے ہمارا کلچر ایک اور یکساں رہا ہے۔اس روایت کو قائم رکھنے کے لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ پورے ملک کی ایک زبان ہو اور ایک ہی رسم الخط ہو۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی یہ کہے کہ ہمارے ملک میں دو کلچر ہیں۔(زور دیا گیا)۔ داس اس بات کا ذکر کرنا بھول گئے کہ کیرالہ کے مسلمان ملیالی بولتے ہیں، جو وہاں اکثریت کی زبان ہے۔اسی طرح مسلم تمل، تمل بولتے ہیں اور کرناٹک کے مسلمان کنڑ۔اردو کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ مسلمان برصغیر ہند سے باہر اور وہ بھی بہت کم علاقہ میں اردو بولتے ہیں۔

پنڈت گووند بلبھ پنت نے تو کسی اقلیتی زبان کے وجود تک سے انکار کر دیا تھا۔ان کا کہنا تھا''اتر پردیش کے اسکولوں میں مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور ہندو اور مسلمان دونوں بچوں کی مادری زبان لگ بھگ ایک ہی ہے۔دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔''انھوں نے اس تحریک کو دور گذشتہ کی سیاسی علیحدگی پسندی کے حامی کو ان افراد سے منسوب کیا جو اقلیتی زبان گروپ والے بچوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دلوانے کے حامی تھے۔''ان کا کہنا تھا کہ دوقومی نظریہ کا بھوت ابھی کہیں نہ کہیں ، یہاں تک کہ اس باوقار ایوان کی حدود میں موجود ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی بات ایوان میں اٹھائی ہی نہیں جانی چاہیے تھی۔''بدقسمتی سے ان کے اس نقطۂ نظر کو دیگر اراکین نے بھی سراہا۔آر۔وی۔دھلیکر تو اور بھی آگے بڑھ گئے۔ان کا کہنا تھا کہ چونکہ مسلمانوں نے جدوجہد آزادی میں ہمارا ساتھ نہیں دیا تھا،اس لیے انھیں اردو کی مانگ کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔

'ملاّ' بنا دیا ہے اسے بھی محاذ جنگ
اک صلح کا پیام تھی اردو زباں کبھی

اس بےخبر رکن کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ 1757 میں پلاسی کی جنگ میں انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مسلمان تھے اور اینگلو۔میسور جنگ میں،جس میں انگریزوں کو لگ بھگ شکست کا منھ دیکھنا پڑا تھا،انگریزوں سے لوہا لینے والے بھی مسلمان ہی تھے۔اردو بولنے والے لوگوں نے،جن میں ادبا اور شعرا بھی شامل تھے،جدوجہد آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ان میں سے کتنوں کو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا،کتنوں کو جیل میں رکھا گیا اور کتنوں کو جلاوطن کر دیا گیا،جن میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر شامل تھے۔ان کا درج ذیل شعر ان کی حب الوطنی کا واضح ثبوت ہے:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

سبھی انقلابیوں نے بغیر کسی تردد کے انھیں اپنا لیڈر مانا اور یہ اعلان کیا کہ وہ ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔اولین مجاہدین آزادی نے انگریزوں کو نہ کہ مغلوں کو غیر ملکی مانا۔

حال ہی میں جے این یو کے تعلق سے بغاوت/ فتنہ انگیزی (sedition) موضوع بحث رہا لیکن ہم یہ بات بالکل بھول گئے کہ یہ اصطلاح اصل مجموعہ تعزیرات ہند میں بطور جرم شامل ہی نہیں تھی۔ چونکہ مسلم علما نے انگریزوں کے خلاف جہاد کی کال دی تھی اس لیے یہ دفعہ وہابی تحریک کو ختم کرنے کے لیے شامل کی گئی تھی۔ اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ سرفروشی کی تمنا جیسا نظمیہ پیغام پٹنہ میں 1921 میں بسمل عظیم آبادی نے دیا تھا۔ یہ پہلی بار دہلی سے شائع ہونے والے جریدے 'صبا' میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں اسے پنڈت رام پرشاد بسمل نے حیثیت جاودانی عطا کی۔ اسی طرح انقلاب زندہ باد کا نعرہ حسرت موہانی کی جو اسی آئین ساز اسمبلی کے رکن تھے جس میں آر۔ وی۔ دھلیکر تاریخی حقائق کو غلط ٹھہرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جے ہند کا نعرہ بھی میرے نئے نئے اپنائے ہوئے شہر حیدرآباد کے رہنے والے زین العابدین نامی شخص کی، جو انجینئرنگ پڑھنے جرمنی گئے تھے، دین ہے۔ (نریندر لوتھر)

آزادیٔ وطن کی یہ بھی مجاہد ہے
جذبوں کی ترجماں ہے اردو زباں ہماری

آر۔ وی۔ دھلیکر نے تو یہاں تک کہہ دیا ''میں کہتا ہوں کہ یہی سرکاری زبان ہے اور یہی قومی زبان ہے۔ آپ کو اعتراض ہو تو ہو (جب کہ کسی بھی رکن نے ابھی تک ایسا نہیں کہا تھا)، ہوسکتا ہے کہ آپ کا تعلق کسی اور قوم سے ہو، میرا تعلق تو ہندوستانی قوم، ہندی قوم اور ہندو قوم سے ہے۔'' (زور دیا گیا) اس انتہائی متعصّبانہ بحث سے دکھی قاضی سید کریم اللہ خود کو نہ روک سکے اور بے ساختہ غالب کی غزل کے یہ الفاظ دہرائے ''تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں۔'' انھوں نے آر۔ وی۔ دھلیکر کے اس بیان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہ گاندھی جی مسلمانوں کی خوشنودی کے لیے ہندوستانی کے لیے دو الگ الگ رسم الخط کے لیے راضی ہوگئے، ان کی بھرپور خبر لی۔

سیٹھ گووند داس نے بھی 12 ستمبر 1949 کو ایوان میں ہی اپنے دل کی بات کہہ دی ''میرا ہرگز یہ کہنا نہیں ہے کہ اردو کا استعمال صرف مسلمان ہی کرتے ہیں۔ میں اس بات سے اتفاق رکھتا ہوں کہ بہت سے ہندو شعرا اور ادیبوں نے بھی اردو ادب کی تخلیق میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ بات کہوں گا کہ اردو کو تحریک ہندوستان کے باہر سے ملی ہے۔ اگر آپ

میرے اس قول کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو اردو ادب کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ میں بھی کوئی بیگانۂ ادب نہیں ہوں، مجھے اگر اردو ادب کی گہری جانکاری نہیں تو تھوڑا بہت علم ضرور ہے۔ اردو ادب میں آپ کو کہیں ہمالیہ کا تذکرہ نہیں ملے گا جب کہ کوہ قاف کا ذکر مل جائے گا۔ آپ کو اردو ادب میں اپنی مرغوب کوئل کا ذکر کہیں نہیں ملے گا لیکن بلبل کا ذکر مل جائے گا۔ بھیم اور ارجن کی جگہ رستم کا، جو ہمارے لیے بالکل اجنبی ہے، ذکر ضرور مل جائے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہماری سوچ متعصّبانہ ہے سراسر غلط ہے۔ یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ مجھے اردو سے نفرت ہے۔ ہمیں اردو سے پیار ہے اور ہم اس سے محبت کرتے رہیں گے۔ میں ایسا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت بھی یہی ہے۔ جناب عالی! ہندی کے حمایتیوں کی سوچ کبھی متعصّبانہ نہیں رہی لیکن اردو والوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جاسکتی۔ ان کی سوچ تو متعصّبانہ ہی ہے۔

محمد حفظ الرحمٰن نے ان باتوں کا بڑے زوردار انداز میں یہ کہہ کر متناسب جواب دیا لیکن آج تو اردو کو مذمتی لہجہ میں یہ کہہ کر نیچا دکھایا جارہا ہے کہ چونکہ اس میں غیر ملکی الفاظ شامل ہیں اس لیے یہ یونین کی زبان نہیں ہوسکتی۔ لیکن میں اپنی پوری قوت کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ قول کسی بھی طرح مبنی بر حقیقت نہیں ہے کیونکہ صورت حال اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو ہندوستانی تصورات اور الفاظ سے مالا مال ہے۔ اگر آپ اردو شاعری اور شعرا کا مطالعہ کریں تو آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے گا۔ اردو کے جدید شعرا میں شمار محسن کاکوروی کا پیغمبر اسلام حضور اکرمؐ کی شان میں لکھے گئے نعتیہ کلام میں کہنا ہے: بادِ نسیم نے گنگا کے مقدس پانی کو اس کے کندھے پر لاکر رکھ دیا ہے اور ابھی ابھی یہ خبر آئی ہے کہ بادل اپنے پروں وغیرہ کے سہارے تیرتھ کے لیے آرہے ہیں۔ اسی طرح مذہبی شاعری میں بھی گنگا اور متھرا کا ذکر ملتا ہے۔ شاعر نے 'کاشی' 'گنگا' اور 'متھرا' کو 'مکہ' 'مدینہ' اور 'زم زم' کے متبادل الفاظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے اور اس کے برعکس کہی گئی بات بالکل غلط ہے۔ علامہ اقبال تک نے رام کو امام ہند کہا ہے۔

مارچ 1947 میں آئین ساز اسمبلی کی ذیلی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا تھا: ''ہندوستانی، خواہ کوئی شہری اسے دیوناگری رسم الخط میں لکھے یا فارسی رسم الخط میں، بطور قومی زبان یونین کی پہلی سرکاری

زبان ہوگی۔'' البتہ 14 اگست، 1947 کو پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد اقلیتوں کے حقوق کی طرح زبان کے مدعے کی بابت بھی صورت حال بدل گئی اور جنونی وطن پرست ہندی کے حامیوں کو اردو کی مخالفت کرنے کا ایک بہترین موقع مل گیا۔

داس نے 6 اور 7 اگست، 1949 کو قومی زبان کنونینشن کا انعقاد کیا جس میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ ''Sanskritised'' ہندی''، یعنی ایسی ہندی جس میں سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار ہو، اور دیوناگری رسم الخط کو ہندوستان کی قومی زبان بنایا جائے۔ آئین ساز اسمبلی میں گرما گرم بحث کے بعد دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو سرکاری زبان قرار دے دیا گیا اور اب وہ سنسکرت سے الفاظ اخذ کرنے کے لیے آزاد تھی۔ یہاں تک کہ سنیتی کمار چٹرجی کی سربراہی میں سات اراکین پر مشتمل تشکیل کیے گئے سنسکرت کمیشن نے بھی 1956 میں سنسکرت کو قومی زبان بنانے کی سفارش کی تھی۔ آج جو صورت حال ہے ہندوستان کی کوئی قومی زبان نہیں ہے۔ ہندی محض سرکاری زبان ہے۔ یہ ایسی معدودے چند باتیں ہیں جن سے اردو کی موجودہ صورت حال سے زیادہ ہندوستانی سیکولرازم کی گہرائی اور جمہوری طریقۂ کار کی استواری کا واضح اشارہ ملتا ہے۔

میں برابر یہ دلیل دیتا رہا ہوں کہ اقلیتی حقوق بشمول زبان کو سیکولرازم بنام فرقہ واریت کی بحث سے الگ رکھا جانا چاہیے۔ میری نظر میں یہ جمہورت کا سوال ہے۔ یہ شہریوں کے حقوق کا سوال ہے۔ یہ ایک آئینی معاہدہ (پیکٹ) یا سماجی معاہدہ کا سوال ہے جسے عملی جامہ پہنانا سرکار کا فرض ہے۔ دراصل یہ اردو کا المیہ ہے کہ اس کے دو پہلو ہیں یعنی ایک تو اسے صرف مسلمانوں کی زبان سمجھا جاتا ہے اور دوسرے اس کی تردید۔ اگر اردو مسلمانوں کی زبان نہیں ہے تو اسے لے کر مسلمان اتنے جذباتی کیوں ہیں؟ ہمیں اس بات کو ماننے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے کہ اردو ہماری زبان ہے اور ملک کے کچھ حصوں میں مسلمانوں کی زبان بھی۔

صرف اس لیے کہ اردو کو پاکستان میں، جو بدقسمتی سے مذہب کے نام پر وجود میں آیا، سرکاری زبان قرار دے دیا گیا (جو میری رائے میں غلط ہوا)، اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ اردو کو اپنی جائے پیدائش والے ملک ہندوستان میں جائز حق سے محروم رکھا جائے۔ سندھی ایک پاکستانی زبان ہے لیکن اسے آئین میں ترمیم کر کے اس کے آٹھویں جدول میں شامل کیا گیا اور

اسے ہندوستانی زبان تسلیم کیا گیا۔ڈاکٹر عابد حسین نے اپنی تصنیف'' Destiny of Indian Muslims''میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اردو کی دہری اہمیت ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کی نہ صرف سیکولر اور ثقافتی زبان ہے بلکہ یہ ان کی مذہبی زبان بھی ہے۔کرسٹوفر نے صحیح ہی کہا ہے کہ 'اردو' ہندوستانی مسلمانوں کی علامت تشخص بن کر ابھری،جنھیں ان کی زبان کے ساتھ ساتھ تعصّبانہ 'غیر ملکی' سمجھا گیا۔قدیم روش کے پابند لکیر کے فقیر جو قومیت (نیشنلزم) کی نیم مذہبی اقدار سے وابستہ رہے ملک میں موجود رہے اور انتخابات میں ان سے سیاسی فائدہ اٹھانے کے لیے انھیں ختم بھی نہیں ہونے دیا گیا۔یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ اردو کا ہندوستانی مسلمانوں سے انتہائی قریبی رشتہ رہا لیکن یہ کہہ کر اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے نہیں بچا جا سکتا کہ کسی بھی زبان کو کسی مذہب، ذات،نسل یا عقیدہ کی دین نہیں کہا جا سکتا۔تمام زبانیں ایک مخصوص معاشرہ کی دین ہوتی ہیں۔ اردو ہر طرح سے ہندوستانی زبان ہے۔اس کی جڑیں ہندوستان میں ہی ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ 'کیمپ زبان' ہے جو پندرہویں صدی کے آخر میں شمالی ہندوستان اور دکن میں معرض وجود میں آئی۔اس نے کئی ہندوستانی زبانوں سے الفاظ اخذ کیے جیسے برج بھاشا،کھڑی بولی اور کسی حد تک تیلگو،گجراتی،مراٹھی،فارسی اور ترکی۔اب چونکہ میں حیدرآباد میں رہتا ہوں میں اس بات کو ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ اس خوبصورت زبان (اردو) کے ماخذ میں تیلگو کا بھی حصہ ہے۔ گولکنڈہ (حیدرآباد) کو بسانے والے پہلے سلطان محمد شاہ کا،جنھیں تیلگو بھی اچھی طرح آتی تھی، شمار اردو کے اولین شعرا میں ہوتا ہے۔انھوں نے بھاگیہ متی نامی ایک دیوداسی سے شادی کی تھی۔ اردو کا ایک اور درخشاں ستارہ ولی دکنی تھا۔یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ اردو صرف اور صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔کتنے ہی نامور ادیب اور شعرا غیر مسلم تھے جیسے کرشن چند،مہاراج سرکشن پرشاد،منشی پریم چند،برج نرائن چکبست،فراق گورکھپوری،مہر چند کوشک،جوگندر پال،جتیندر بلو،منموہن تلخ، جگت رام ساہنی،اقبال دیپ،سریندر پرکاش،ہرچرن چاولہ،گوپی چند نارنگ،جگن ناتھ آزاد اور بال کرشن وغیرہ۔یہ محض چند نام ہیں۔

اردو،انگریزی اور فرانسیسی زبان کی طرح تارکین وطن اور رجعت پسندوں کی لائی گئی غیر ملکی زبان نہیں ہے۔یہ تو اسی ملک میں جنمی ہے۔دریں صورت اردو بولنے والوں اور اپنا وطن

ترک کر کے ہندوستان میں بسنے والوں کے حقوق اور فرائض یکساں نہیں ہو سکتے۔ دراصل اردو تو ہندوستانی اور آفاقی اقدار کا علاماتی 'پھول' ہے اور اسے 'ایسی اصناف کی طرح جن کے ختم ہونے کا خطرہ درپیش ہو' معدوم ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور نہ دی جانی چاہیے۔ 1920 میں ان لوگوں نے، جنھوں نے علیگڑھ کو، جہاں انگریزی کا بول بالا تھا، چھوڑ دیا تھا، جامعہ ملیہ قائم کی اور حیدرآباد میں پہلی ملکی زبان کی پہلی یونیورسٹی کے طور پر اس عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام وجود میں آیا جو اس سال اپنے قیام کی صد سالہ تقریب منا رہی ہے۔ یہ اردو کے تحفظ کے لیے اٹھائے گئے اقدام تھے۔ بانیان دستور کے دل میں کیا تھا اور کیا نہیں تھا، جیسا کہ اردو سے متعلق بحث میں انتہائی جانب دارانہ رویہ کا اشارہ ملتا ہے، اس کے باوجود بھارت کے الی الآن ترمیم شدہ آئین میں اردو کو کافی تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور اگر آئینی التزامات کو صحیح طور پر عملی جامہ پہنایا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب اردو کو بامعنی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

آئین کی دفعات 29 اور 30 میں اقلیتوں کو ثقافتی، مذہبی اور لسانی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ دفعہ 29(1) کے مطابق بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو، اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔ جگدیو سنگھ بنام پرتاپ سنگھ والے معاملے (AIR 1965 SC 183) میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ 'زبان کے تحفظ کے لیے احتجاج کرنے' کا حق بھی شامل ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ دفعہ 19(1)(a) کے غیر مشابہ، جو تقریر اور اظہار کی آزادی، تجارت کی آزادی اور ملک کے کسی بھی حصہ میں بود و باش کرنے اور بس جانے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کی ضمانت دیتی ہے، دفعہ 29(1) کسی معقول پابندی کے تابع نہیں ہے۔ اس طرح شہریوں کو جو اپنی زبان کے تحفظ کا جو حق دیا گیا ہے وہ قطعی حق ہے۔ ٹی ایم اے پال والے معاملے میں گیارہ ججوں پر مشتمل بینچ کے ذریعہ دیے گئے فیصلے میں جسٹس روما پال نے دفعات 29 اور 30 کے تحت حقوق کی قطعی نوعیت کو تسلیم کرنے کی حمایت کی تھی۔ محترمہ جج صاحبہ کو یہ تشویش تھی اور وہ صحیح ہی تھی کہ حکومت نام نہاد ضوابط کا نام لے کر کہیں ان حقوق کو دینے سے انکار نہ کر دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اقلیتوں کے یہ خصوصی حقوق ہیں اور یہ عام شہریوں کے حقوق سے بھی بالاتر ہیں۔ اس صورت حال

میں اقلیتی اداروں کو قومیانہ ممکن نہیں۔حال ہی میں بی جے پی حکومت نے سپریم کورٹ میں جموں و کشمیر میں ہندوؤں کو اقلیت کا درجہ دینے سے متعلق پٹیشن دائر کی ہے۔چند دن قبل آدھی درجن سے زیادہ ریاستوں میں ہندوؤں کو مذہبی اقلیت تسلیم کیے جانے سے متعلق پٹیشن دائر کی ہے۔میرا ماننا ہے کہ ہندو ان ریاستوں میں یقینی طور پر مذہبی اقلیت ہیں لیکن دوسری ریاستوں میں وہ لسانی اقلیت ہیں۔اس لیے بی جے پی کو اقلیتی حقوق کی مذمت نہیں کرنی چاہیے چونکہ خود ہندو بھی ان حقوق کے حقدار ہیں۔

دفعہ 347 میں یہ التزام ہے کہ اس بارے میں مطالبہ کیے جانے پر صدر، اگر وہ مطمئن ہوں کہ کسی ریاست کی آبادی سے قابل لحاظ تناسب کی خواہش ہے کہ وہ ریاست کی کسی زبان کے استعمال کو جس کو وہ بولتے ہیں، تسلیم کرے تو ہدایت کر سکیں گے کہ ایسی زبان بھی اس ریاست بھر میں یا اس کے کسی حصہ میں اس غرض کے لیے، جس کی وہ صراحت کرے، سرکاری طور پر تسلیم کر لی جائے۔

دفعہ 350 میں یہ توضیع کی گئی ہے کہ ہر شخص کو کسی شکایت کے ازالہ کے لیے یونین یا کسی ریاست کے کسی عہدے دار حاکم کو ان زبانوں میں سے کسی زبان میں جو یونین یا اس ریاست میں، جیسی کہ صورت ہو، استعمال میں ہوں عرضداشت پیش کرنے کا حق ہوگا۔

دفعہ 350A میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ ہر ریاست اور اس ریاست کے اندر ہر مقامی حاکم کی کوشش ہوگی کہ لسانی اقلیتی زمروں سے تعلق رکھنے والے بچوں کو تعلیم کے ابتدائی درجے میں مادری زبان میں تعلیم دینے کی معقول سہولیتیں مہیا کرے۔آئین میں دفعہ 350A وہ واحد دفعہ ہے جس میں 'مادری زبان' الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔لہٰذا ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دفعہ 350 A آئین میں کیوں شامل کی گئی تھی۔ریاستوں کی تنظیم نو سے متعلق کمیشن نے 1955 میں ریاستوں کی لسانی بنیاد پر تنظیم نو کی سفارش کی تھی۔رپورٹ کے جز 4 میں کمیشن نے باب 1 میں صرف ''لسانی طبقات کے لیے حفاظتی اقدام'' کو ہی شامل کیا ہے اور یہ سفارش کی ہے کہ ریاستی اقلیتوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا حق ہونا چاہیے۔اسی بنیاد پر دفعہ 350A شامل کی گئی تھی۔

اس التزام کے باوجود پانچ ججوں پر مشتمل ایک آئینی بینچ نے یہ فیصلہ دیا کہ کسی ریاست کے ذریعہ کسی زبان کو مسلط کرنے سے والدین اور بچوں کے بنیادی حقوق متاثر ہوں گے کیونکہ یہ فیصلہ کرنا ان کا کام ہے کہ وہ کس زبان کو اپنی مادری زبان رکھنا چاہتے ہیں۔ کسی ریاست میں لسانی اقلیت کی مادری زبان کیا ہوگی اس کا فیصلہ صرف اور صرف والدین کریں گے۔ جسٹس اے۔کے۔پٹنا یک نے، جنھوں نے یہ تاریخی فیصلہ دیا تھا۔ انھوں نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔ آئین کی دفعہ 19(1) (a) میں تقریر اور اظہار کی آزادی کے حق میں بچے کو پرائمری اسکول میں اپنی پسند کی زبان میں پڑھنے کا حق حاصل ہے اور ریاست کا اس کے انتخابی عمل پر صرف اس لیے کہ اس کی نظر میں پرائمری اسکول میں مادری زبان میں پڑھایا جانا ہی زیادہ مفید ہوگا، کوئی کنٹرول نہیں ہوسکتا۔

جب پنجابی کو تعلیم کا واحد ذریعہ بنایا گیا تو اسے دفعہ 29 کی خلاف ورزی کی بنیاد پر کالعدم قرار دے دیا گیا تھا۔ یہ اصول کی بات ہے کہ جب کسی ریاست کو مادری زبان کی بابت فیصلہ لینے کا حق ہی نہیں ہے تو وہ کسی ایسی دیگر زبان کو جو مادری زبان بھی نہیں ہے کس طرح مادری زبان قرار دے سکتی ہے؟ اس دفعہ کی عبارت بھی یکساں سول کوڈ سے متعلق دفعہ 44 جیسی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سرکار شہریوں پر یکساں سول کوڈ بھی تھوپ نہیں سکتی۔ دساتیر عام طور پر نجی معاملوں میں لوگوں کی آزادی اور حسب مرضی فیصلہ کرنے کے حق کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور آئین پسندی (constitutionalism) کے تصور کے مدنظر ریاست کے اختیار کو محدود کر دیتے ہیں۔

دفعہ 350B میں لسانی اقلیتوں کے لیے خاص عہدے دار کا تقرر کرنے کی بابت التزام کیا گیا ہے۔ یہ عہدے دار آئین کے تحت لسانی اقلیتوں کو دیے ہوئے تحفظات سے متعلق تمام امور کی تفتیش کرے گا اور صدر کو ان امور پر ایسے وقفوں سے جن کی صدر ہدایت دیں، رپورٹ دے گا۔ اصل دفعہ عدالت کے اس تاریخی فیصلہ کی ہی طرح تھی جس میں یہ کہا گیا ہے کہ شہریوں کو یہ حق ہوگا کہ وہ کس زبان کو بطور مادری زبان اور اس کے کس رسم الخط کو اپنانا چاہیں گے اور کس دوسری زبان اور اس کے کس رسم الخط کو اپنانا، اس میں تعلیم حاصل کرنا یا اس کا استعمال کرنا چاہیں گے۔ اس میں مزید یہ رائے بھی دی گئی تھی کہ ''اقلیتوں کو ہر یونٹ میں زبان اور ثقافت کے تعلق

سے معقول تحفظ فراہم کیا جائے گا اور کوئی بھی حکومت ایسے قوانین یا ضوابط نہیں بنائے گی جو اس ضمن میں موجب زیادتی ہوں یا ان سے برا اثر پڑے۔''

اس طرح آئین میں اردو کی اہمیت کو بھرپور طریقے سے تسلیم کیا گیا ہے۔ دریں صورت آئینی نقطۂ نظر سے تو کوئی خاص شکایت نہیں ہوسکتی سوائے اس کے کہ اصل مسودہ میں ابتدائی تعلیم مادری زبان میں حاصل کرنے کے حق کو بنیادی حق کے طور پر شامل کیا گیا تھا۔

آیئے اب زمینی صورت حال اور اردو کی قانونی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ D.E.Smith نے اپنی تصنیف "India as a Secular State" میں ان تلخ حقائق کا یہ کہہ کر خلاصہ کردیا ہے کہ عملاً اس ضمانت کی حیثیت بہت ہی معمولی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب ان پرائمری اسکولوں میں، جہاں مسلمانوں کے بچے پڑھتے ہیں ان کی مادری زبان اردو ختم کردی جائے گی ،تو مسلمان کس طرح اپنی ثقافت کی حفاظت کرسکیں گے؟ شمالی اور مرکزی ہندوستان (اتر پردیش، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان) کے بہت سے علاقوں میں اسکولوں میں ذریعۂ تعلیم کے طور پر اردو تقریباً ختم ہوچکی ہے۔اس سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ بہت سی ریاستوں میں ایسے قوانین بنائے گئے ہیں کہ اگر سرکاری ملازم ہندی کے علاوہ کسی دوسری زبان کا استعمال کریں گے تو وہ جرم کے مرتکب ہوں گے۔ مئی 1948 میں اتر پردیش کی حکومت نے ایک سرکولر جاری کیا تھا جس میں یہ تاکید کی گئی تھی کہ بچوں کے لیے ذریعۂ تعلیم صرف ہندی ہوگی لیکن 1949 میں ریاستی وزرائے تعلیم کی کانفرنس میں ایک تجویز منظور کی گئی تھی جسے مرکزی حکومت نے بھی منظوری دے دی تھی۔اس تجویز میں یہ کہا گیا تھا کہ پرائمری اسکول میں بچوں کے لیے ذریعۂ تعلیم مادری زبان ہونی چاہیے اور جہاں یہ ریاستی یا علاقائی زبانوں سے مختلف ہو تو وہاں کم ازکم ایک اردو استاد کا تقرر کرکے مادری زبان میں پڑھائے جانے کا انتظام کیا جانا چاہیے مگر شرط یہ ہے کہ ایک کلاس میں اردو زبان بولنے والے بچوں کی تعداد 40 سے کم نہ ہو۔ اگرچہ ریاستی حکومتوں نے اس تجویز کا پرزور طریقہ سے خیر مقدم کیا مگر عمل توقع سے بہت کم ہوا اور آج بھی یہ ایک ایسا خواب ہے جس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی امید بہت کم ہے۔

جہاں تک متذکرہ بالا دفعہ 347 کو عمل درآمد کرنے کی بات ہے یہ بات قابل غور ہے کہ 1954 میں ڈاکٹر ذاکر حسین کی سربراہی میں ایک وفد نے اتر پردیش کے دو لاکھ بالغ نوجوانوں کی دستخط شدہ عرضداشت پیش کی تھی۔ان خاندانوں کے نابالغ ارکان کی تعداد بیس لاکھ تھی۔میمورنڈم میں اردو کو ریاست اتر پردیش میں جہاں وہ جنمی تھی ایک علاقائی زبان کے طور پر تسلیم کرنے کی مانگ کی گئی تھی اور وہ بھی ان مخصوص اغراض کے لیے (الف) ان بچوں کے لیے ذریعۂ تعلیم کے طور پر استعمال کرنے کے لیے جن کی مادری زبان اردو ہے (ب) اردو میں لکھی گئیں درخواستیں عدالتوں اور سرکاری دفتروں میں قبول کیے جانے کے لیے (ج) اہم قوانین، قواعد اور نوٹیفکیشن اردو میں بھی شائع کیے جانے کے لیے۔

اسی طرح کی عرضداشت 1956 میں بہار میں بھی دی گئی۔1958 میں انجمن ترقی اردو ہند نے اتر پردیش میں اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کیے جانے کے لیے ایک اور عرضداشت دی۔ کمشنر برائے لسانی اقلیات کی تمام رپورٹوں میں بھی اردو کے ساتھ صحیح برتاؤ نہ کیے جانے اور آئینی احکامات کے خلاف منصوبہ بندی کی بابت تبصرہ کیا گیا ہے۔

اردو کے کاز کی پیش رفت کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے اندر کمار گجرال کی سربراہی میں 1972 میں ایک کمیٹی قائم کی گئی تھی۔اس کمیٹی نے 250 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ 1975 میں پیش کی جس میں 187 سفارشات کی گئی تھیں۔اس رپورٹ کو 'ٹھنڈے بستہ' میں رکھ دیا گیا۔ ایسا کرنے کی خاص وجہ اردو کے کاز کے لیے کچھ بھی کیے جانے کی جگجیون رام نے سخت مخالفت کی اور اندرا گاندھی اس وقت کی سیاسی صورت حال میں انھیں الگ تھلگ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ بہرحال وقت آنے پر اس رپورٹ کو پارلیمنٹ کے روبرو پیش کیا گیا۔تب اردو کی حالت زار پر غور کرنے کے لیے ایک بار پھر یکے بعد دیگرے دو کمیٹیاں بنائی گئیں۔گجرال کمیٹی کی سفارشات پر غور کرنے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی آل احمد سرور کی سربراہی میں بنائی گئی (یہ کمیٹی 1979 میں بنائی گئی اور اس نے رپورٹ 1983 میں دی)۔ایک اور کمیٹی علی سردار جعفری کی سربراہی میں بنائی گئی (یہ کمیٹی فروری 1990 میں بنائی گئی اور اس نے انتہائی مستعدی سے کام لیتے ہوئے اپنی رپورٹ ستمبر 1990 میں ہی دے دی۔)

علی سردار جعفری کمیٹی نے اس بات کا انکشاف کیا کہ گجرال کمیٹی کی 95% سفارشات کو اپنانے پر ابھی تک عمل نہیں ہوا ہے۔ اس کے بعد بہار کی سرکار نے اور مابعد جلد ہی اتر پردیش کی سرکار نے اپنی اپنی ریاستوں میں کاغذ پر ہی سہی اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ بہار کی حکومت نے وزیر اعلیٰ جگن ناتھ مشرا کی میعاد عہدہ کے دوران اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے دیا۔ تب سے وہاں قابل تعریف کام ہوا ہے۔ حکومت نے دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ پرائیویٹ اداروں کو تسلیم کیے جانے کے لیے یہ شرط لگا دی کہ وہ مسلم اکثریت والے علاقوں میں اردو اساتذہ کا تقرر کریں گے۔ بہار اردو کے ساتھ اتنا کشادہ دل کیوں تھا؟ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو بہار میں ہندی اور اردو کے حوالے سے آزادی سے قبل ہندوؤں اور مسلمانوں کے بیچ خصومت اور مقابلہ یوپی کے مقابلے میں، جہاں مسلم لیگ کا بہت زور تھا اور مسلم کلچر کی جڑیں بہت گہری تھیں، اتنا شدید نہیں تھا۔ دوسرے لسانی اعتبار سے یوپی کے مقابلے میں بہار مختلف خصوصیات کا حامل تھا۔ وہاں میتھلی، اڑیہ اور بنگلہ بولنے والی اقلیتیں بھی ہیں۔

ریاست اتر پردیش میں صورت حال انتہائی خراب اور ناسازگار رہی۔ ہر چناؤ سے پہلے وہاں کی حکومت اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کا اعلان کرتی ہے مگر معقول تعداد میں اردو اساتذہ کی تقرری بہت کم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ چناؤ سے پہلے وقتی بنیاد پر رکھے گئے اساتذہ کو چناؤ کے فوراً بعد نکال دیا گیا۔ 1989 کے عام چناؤ سے قبل این۔ ڈی۔ تیواری (جن کے صاحبزادے اب بی۔ جے۔ پی میں شامل ہو گئے ہیں) کی سربراہی میں چلنے والی کانگریس حکومت نے ریاستی مقنّنہ میں کچھ ضلعوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے نیم دلی سے ایک بل پیش کیا تھا اور اسے منظوری بھی مل گئی تھی۔ آیئے اب ہم اردو کے تئیں بی جے پی کے رویہ کی بات کرتے ہیں۔ جب 1989 میں این۔ ڈی۔ تیواری حکومت نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے دیا تو اٹل بہاری واجپئی نے (جنھیں بی جے پی کا سب سے زیادہ وسیع النظر چہرہ سمجھا جاتا تھا) اسے مسلمانوں کو خوش کرنے کی ایک اور مثال کہہ کر اس قدم کی اپنی جماعت کی طرف سے سخت تنقید کی۔ یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن نے U.P. Act of 1989 کو چنوتی دی تھی مگر جسٹس آر ایم لودھا کی سربراہی والی آئینی بینچ نے یہ فیصلہ دیا کہ ریاستی حکومت پر

ایسی کوئی پابندی نہیں ہے کہ وہ ہندی کے علاوہ ریاست میں مستعمل ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کو سرکاری زبان کا درجہ نہ دے سکے۔عدالت کا کہنا تھا کہ ''دفعہ 345 کی سادہ زبان میں، جو ریاستی مقنّنہ کو ریاست میں مستعمل ایک یا ایک سے زیادہ زبانوں کو اپنانے کا اختیار دیتی ہے، کسی ابہام کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔سپریم کورٹ نے اپنی اس رائے کا بھی اظہار کیا کہ ہندوستان میں قانون اور زبان دونوں کا ہی ارتقائی اسلوب تدریجی وفطری ہے۔ہندوستان میں ان کا فروغ مختلف زبانیں بولنے والوں کے حسب دلخواہ ہوتا رہا ہے۔ہندوستانی لسانی قوانین سخت گیر نہیں بلکہ لحاظ دار ہیں اور ان کی غرض لسانی سیکولرازم کا حصول وتحفظ ہے۔

1961 میں جس سہ لسانی فارمولے کو حتمی شکل دی گئی تھی اس پر ابھی تک عمل نہیں کیا گیا ہے۔ریاستوں نے اپنا اپنا سہ لسانی فارمولہ اپنا لیا ہے جس سے اردو کو آئین کے ذریعہ عطا کیے گئے تحفظ پر منفی اثر پڑا ہے اور دفعہ 29 کے تحت شہریوں کو حاصل بنیادی حق پر بھی اثر پڑا ہے۔مثال کے طور پر اتر پردیش میں ہندی اور سنسکرت کو بالترتیب قومی اور علاقائی زبان کے طور پر پڑھایا گیا اور اردو کو انگریزی کے ساتھ تیسری زبان کا درجہ دیا گیا۔اس طرح طلبا کو انگریزی اور اردو میں سے ایک زبان ہی سیکھنے کا موقع مل سکتا تھا۔بھلا بتایئے انگریزی سیکھنے سے کون گریز کرتا؟ مسلمان بچوں کے لیے اپنی مادری زبان سے کنارہ کشی کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔کچھ ریاستوں میں سنسکرت کو جدید زبان کے طور پر پڑھایا گیا جس سے طلبا کو اردو کا انتخاب کرنے کے مواقع اور کم ہو گئے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اردو بولنے والے بچوں کے لیے نظام تعلیم میں اردو کا مقام کیا ہے؟ رسل نے سہ لسانی فارمولے کے بگاڑ کی حقیقت کو بڑے واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے لیے جن کی مادری زبان اردو ہے اردو کو پہلی زبان کا جائز حق نہ دے کر اور بعد میں اسے دوسرا اور تیسرا درجہ بھی نہ دے کر فی الواقع اردو کو اس فارمولے سے باہر کر دیا ہے۔ سوائے بہار کے، اس فارمولے کو ہندی، سنسکرت اور انگریزی تک ہی محدود کر دیا ہے اور اس سے بڑھ کر اہم بات یہ کہ آئینی تاکید اور تعلیمی ناگزیری کے باوجود ابتدائی جماعتوں میں بھی اردو کو ذریعۂ تعلیم نہیں بنایا جا رہا ہے۔اسے اردو بولنے والے بچوں کے حق کی نفی ہی کہا جائے گا۔اردو کی

بقااوراس کے تحفظ کے لیے اسے متعین علاقوں میں صراحت کردہ اغراض کے لیے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینا ہی کافی نہیں۔ اسے اتر پردیش کے تعلیمی کوڈ (Educational Code of U.P.) کو، جس میں پرائمری سے ہائر سیکنڈری درجہ تک ہندی کے علاوہ کسی دیگر زبان کا ذریعۂ تعلیم کے طور پر استعمال ممنوع ہے، کو بدلنے سے کم پر بات نہیں بنے گی۔ اردو کی جڑوں میں تب تک جان نہیں آسکتی جب تک اردو بولنے والے ایسے بچوں کو، جن کے والدین نے اردو کو اپنی مادری زبان مانا ہے، تمام سرکاری و پرائیویٹ اسکولوں میں ابتدائی تعلیم اردو ذریعۂ تعلیم کے ذریعہ نہیں ملتی اور وہ پہلی جماعت سے بارہویں جماعت تک اردو نہیں پڑھتے اور سیکنڈری اسٹیج پر لازمی دوسری زبان ہندی کے ساتھ پہلی لازمی زبان کے طور پر اردو نہیں پڑھتے۔

جنوری 2017 میں اتر پردیش کے چیف الیکٹورل افسر نے ان ضلعوں کے تعلق سے، جہاں مسلمانوں کی آبادی 25% سے زیادہ تھی، انتخابی فہرست اردو میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ معلوم نہیں کہ حالیہ انتخاب میں اس پر کس حد تک عمل ہوا لیکن یوگی حکومت جس طرح مدرسوں کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، اس میں نئی حکومت میں اردو کی بہتری کی امید بہت کم ہے۔

2012 میں مغربی بنگال کی حکومت نے ان مقامات کے لیے جہاں 2001 اور 2011 کی مردم شماری کے مطابق اردو بولنے والوں کی آبادی 10% تھی، اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا اعلان کر دیا تھا۔ 2014 میں آسام کے اردو بولنے والے لوگوں کے ذریعہ مطالبہ کیے جانے پر وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند نے 25% اردو طلبہ کی شرط ہٹادی جس کے نتیجہ میں ان اسکولوں میں بھی اردو پڑھائی جانے لگی جہاں 15 طلبہ کی طرف سے اردو پڑھانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

اب میں تیسرا اور آخری حوالہ تلنگانہ کا دینا چاہوں گا۔ اردو کی قانونی حیثیت کی سب سے بہتر خبر تلگانہ سے آئی۔ 2015 میں ہمارے با بصیرت وزیر اعلیٰ کے۔ چندر شیکھر راؤ نے ریاست کے وجود میں آنے کے ایک سال کے اندر اردو کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اردو کو تیلگو کے ساتھ پہلی زبان کا درجہ دے دیا۔ یہاں تک کہ تلنگانہ حکومت کے ایمبلم میں ریاست کے تئیں اردو کی حصہ داری کو تسلیم کرتے ہوئے اسے بطور اظہار تشکر شامل کر لیا۔

بہر کیف، محرومی اور نفی پسندی کے اس ماحول میں اردو بولنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اردو پڑھوانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ دریں صورت، میں رسل کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ یہ اردو والوں کی بے رخی کا ہی نتیجہ ہے کہ ان کے بچے اپنے والدین تک سے اردو میں خط و کتابت نہیں کر سکتے اور ان کا 'ش' 'ق' کا تلفظ بھی صحیح نہیں ہے۔

زبان نہ صرف ثقافت کا بلکہ یہ مذہب کا بھی ایک اہم پہلو ہے۔ دراصل ثقافت، مذہب اور زبان کے دائرے کچھ نقطوں پر ایک دوسرے کو کاٹتے بھی ہیں۔ قدیم عبرانی زبان (Hebrew) جو صدیوں تک ایک مردہ زبان رہی اس نے آرامی زبان (Aramaic) کی جگہ لے لی چونکہ یہودی ثقافت کے احیا کے لیے اسے ضروری سمجھا گیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی ''Sanskritised'' ہندی یعنی ایسی ہندی، جس میں سنسکرت کے الفاظ کی بھرمار ہو، کے احیا کی بابت تشویش صحیح ثابت ہو رہی ہے۔ اردو کی تباہی کا مجموعی طور پر مسلمانوں پر گہرا نفسیاتی اور معاشرتی اثر پڑے گا اور اس کا ردعمل بھی ہوگا اور اس سے قوم کے اتحاد اور سالمیت کو سخت شدید دھچکا لگے گا۔ اردو کو اس کے آئینی حق سے محروم کرنا نہ صرف ہندوستانی سیکولرازم کی نفی ہے بلکہ جمہوریت کی بھی نفی ہے۔

اپنے رسم الخط کے بغیر اردو بہت جلد ناپید ہو جائے گی۔ اردو کا یورپی زبانوں، جن کا عام رومن رسم الخط ہے، اور عام دیوناگری والی ہندوستانی زبانوں کی طرح کوئی وطن نہیں ہے۔ فارسی رسم الخط کے بغیر اردو اور ہندی کے بیچ حد فاصل کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ اگرچہ ترکی، انڈونیشیائی اور مالے زبانوں نے اپنے اپنے رسم الخط کو ترک کر دیا ہے لیکن اردو کے رسم الخط کو ختم کیا جانا اس کے لیے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوگا۔ وہ زبانیں جنھوں نے اپنا رسم الخط ترک کر دیا ہے وہ علاقے کی الگ تھلگ پڑی زبانیں ہیں اور انھیں اس بات کا خطرہ بھی نہیں ہے کہ وہ دوسری زبانوں میں ضم ہو جائیں گی۔ اردو کی نوعیت دیگر زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں اردو اپنی وراثت سے بالکل جدا ہو کر رہ جائے گی کیونکہ تمام مستند، معیاری اور جدید تخلیقات کو دیوناگری میں دوبارہ لکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کا حل تو خود دفعہ 29 میں موجود ہے۔ یہ میری زبان اور اس کے امتیازی رسم الخط کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ کسی کو اس کے رسم الخط کو چھیننے کا

نہ تو حق ہے نہ اختیار۔ اس زبان کو ختم کرنے کی کوئی بھی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔ میرے دماغ میں اس کے بارے میں رتی بھر بھی شک نہیں ہے کہ یہ خوبصورت زبان تمام شدید حملوں کے باوجود ہمیشہ زندہ رہے گی۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

پروفیسر فیضان مصطفیٰ

پہلا باب

مرکزی/ریاستی قوانین اور قانونی مواد کی اردو میں دستیابی

عدالتی زبان کی حیثیت سے اردو کا ارتقا
اور دوامی معنویت

پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم

ہم عدالتی زبان کی حیثیت سے اردو کے ارتقا اور اس کی دوامی معنویت کی بات کرنے سے قبل سامعین کو یہ باور کرانا چاہیں گے کہ اس وقت اردو کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ اکثر یہ سوال اٹھتا ہے یا اٹھایا جاتا ہے کہ اردو کو بھارت کے آئین کی رو سے National Language یعنی قومی زبان کا درجہ حاصل ہے یا نہیں۔ قومی زبان وہ زبان ہوتی ہے جس کا ملک کی عوام سے فی الواقع رشتہ ہونے کی رو سے یعنی de fact یا de jure تعلق ہو۔ جہاں تک اردو کی بات ہے اس کا عوام سے فی الواقع رشتہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسے باضابطہ آئینی و قانونی درجہ بھی حاصل ہے۔ اگر اردو قومی زبان نہ ہوتی تو اسے ہندی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے ساتھ آئین کے 8 ویں شیڈول میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اس شیڈول میں اس کی شمولیت اس کے قومی زبان ہونے کا سب سے معتبر دستاویزی ثبوت ہے۔ اگرچہ اس شیڈول کو کوئی عنوان نہیں دیا گیا ہے اور ان زبانوں کی نوعیت

کے بارے میں کوئی وضاحت یا صراحت نہیں کی گئی ہے مگر اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ سب زبانیں ہمارے ملک کی اپنی زبانیں ہیں اور یہیں پلی بڑھی ہیں۔

ہندوستانی زبانوں کو مردم شماری کے اصولوں کے مطابق سلسلۂ مدارج کے اعتبار سے 4 زمروں میں بانٹا گیا ہے۔

پہلا زمرہ: ہندی وانگریزی بحیثیت سرکاری زبان۔

دوسرا زمرہ: ریاستی سرکاری زبانیں۔

تیسرا زمرہ: وہ زبانیں جو بہت کم لوگ بولتے ہیں مگر انھیں سرکاری زبان کا درجہ حاصل نہیں۔

چوتھا زمرہ: آدیواسیوں وملک کے قدیم باشندوں کے ذریعے بولی جانے والی زبانیں۔

اس سلسلۂ مدارج میں اردو زمرۂ دوئم میں آتی ہے۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کوئی بھی زبان جو کسی بھی دور حکومت میں دفتری یا عدالتی یا قانون ساز اداروں کی زبان رہی ہو وہ کبھی مٹ نہیں سکتی۔ اگر ہم اپنی دیسی زبان میں کہیں تو اردو اور قانون کے بیچ چولی دامن کا ساتھ ہے اور اگر John Platts جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں فارسی کے استاد تھے اور جنھوں نے اردو کلاسیکل ہندی اور انگریزی ڈکشنری مرتب کر کے جو ناقابل فراموش خدمت کی ہے، ان کی زبان میں کہیں تو ہم یہ کہیں گے:

Urdu and Law are as closely united as the body and the skirt

یہی کہانی ہے اردو کے عدلیہ سے ناقابل انقطاع رشتے کی جو کئی صدیوں تک خاص کر 19 ویں اور 20 ویں صدی میں لازم وملزوم کے طور پر قائم رہا اور عوام نے بھی اس کی شیرینی سے متاثر ہو کر اس رشتے کو ایک دوستانہ ماحول میں بہ رضا ورغبت قبول کیا اور قائم رکھا۔ اردو کو دفتری یا قانونی درجے کا حصول بہ اعتبار اصول قانونی ایک ایسی قانونی حقیقت ہے جس سے انکار کیا ہی نہیں جاسکتا۔ متذکرہ بالا تقریباً دو صدیوں کے درمیان تکمیل شدہ دستاویزات کو جب تک ملک میں کوئی بھی نظام حکومت قائم رہے گا تب تک دستاویزی شہادت کے طور پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ کیا جموں وکشمیر میں سموت 1989 میں ڈوگرا دور حکومت میں اردو میں وضع کیے گئے 1932 میں نافذ رنبیر پینل کوڈ کا جو تعزیرات ہند کا فی الواقع نقش ثانی ہے، تقریباً آٹھ دہائی کا عرصہ گزر جانے کے

باوجود وہاں کی عدالتوں میں حوالہ نہیں دیا جاتا؟ کیا اردو میں تحریر کی گئیں دستاویزات مثلاً دستاویز بیع وشریٰ، انتقال، شراکت، تولیت، ہبہ، رہن، پٹہ وغیرہ کو ہمیشہ ان حقوق کو ثابت کرنے کے لیے جن کا ان میں احاطہ کیا گیا ہے، دستاویزی شہادت کے طور پر پیش نہیں کیا جائے گا؟ کیا ان دستاویزات کو پڑھنے، سمجھنے اور ان کے صحیح ترجمہ وتعبیر کے لیے مترجمین ومعبرین کی ضرورت نہیں پڑے گی؟ اسی طرح مغلیہ یا برطانوی ادوار حکومت میں جاری فرمانوں، احکامات، فیصلہ جات اور تکمیل شدہ مالگزاری دستاویزات سے متعلقہ حقوق کو ثابت کرنے کے لیے عدالتوں میں پیش نہیں کیا جائے گا؟

مغلیہ دور میں اس طرح کی دستاویزات ابتداءً فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ دستاویزات اردو کے ارتقا کے دوران فارسی واردو یعنی ملی جلی زبان میں لکھی جانے لگیں۔ اس کے بعد وہ دور آیا جب یہ دستاویزات صرف اردو میں لکھی جانے لگیں لیکن اردو میں لکھی جانے والی دستاویزات میں بھی بیشتر الفاظ عربی و فارسی کے ہی رہے اور آج بھی ہماری عدالتوں میں مدعی، مدعا علیہ، عرضی، عرضی دعویٰ، جواب دعویٰ، جواب الجواب، عدالت، شہادت، شکایت، سماعت، تفتیش، تعمیل، تکمیل، مسل، دریافت، ترمیم، استغاثہ، بیع نامہ، رہن نامہ، منظوری، خارج، حکم، فیصلہ، ہدایت، نقشۂ مرگ، فرد مقبوضگی آلۂ جرم، فرد مقبوضگی پارچات خون آلود وغیرہ جیسے سینکڑوں الفاظ عدالتوں میں اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں استعمال کیے جارہے ہیں اور پولیس عملے کو اس ضمن میں پولیس ٹریننگ مراکز میں باقاعدہ تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اس صورت حال کے ہم خود چشم دید گواہ ہیں اور ہم پولیس اور سی بی آئی کے سینئیر افسران کو کافی عرصے تک تربیت دیتے رہے ہیں۔

ہم سب اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کئی صدیوں تک ہندوستان میں فارسی عدالت کی زبان رہی اور ترکوں، پٹھانوں اور مغلوں نے اسے سرکاری زبان کا درجہ عطا کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہ صرف اردو بلکہ دیگر مقامی زبانوں (Vernaculars) کو بھی پوری پوری اہمیت دی تاکہ وہ مختلف علاقوں کے لوگوں کی کم از کم زبان کے حوالے سے خوشنودی حاصل کرسکیں۔ ان سے بہتر روابط قائم کرسکیں اور انگریزی افسران دستاویزی شہادت کی قدر پیمائی و

قانونی پرکھ کے بعد صحیح فیصلہ دے سکیں۔ 1793 اور 1797 کے بنگال ضوابط تعدادی iv اور ix کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے دعوے داروں کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ اپنے دعوے اپنی اپنی زبان میں پیش کر سکیں اور گواہان کے بیانات اپنی زبان میں درج کرا سکیں۔

اردو تو ہندوستان کی تقریباً سبھی زبانوں کا جزو لاینفک بن چکی ہے اور ہندوستان کی کوئی بھی زبان ایسی نہیں ہے جس میں اردو کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں۔ یہاں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں جو اس بات کے دستاویزی ثبوت ہیں کہ اردو کا ہندوستان کی ہر زبان سے ناقابل انقطاع رشتہ ہے۔ مراٹھی ہی کی بات لے لیجیے مراٹھی شاعرا یکناتھ نے 17 ویں صدی میں اپنی ایک نظم کا عنوان 'عرضداشت' رکھا تھا۔ یہ قانونی لفظ آج بھی اردو میں Representation و Petition کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی نظم میں زمیندار، حرام زادہ، بندگی و بندہ نواز جیسے الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ آج بھی مراٹھی میں اردو کے بہت سے الفاظ اپنی اصل یا معمولی بگڑی ہوئی شکل میں موجود ہیں جیسے گنہگار، ادب، پوشاک، نافرمانی، سرفرازی، افسوس، شاباش، اندازہ، رہائش وغیرہ۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود شیواجی کے دور حکومت میں سرخیل لفظ دستے کے کمانڈر کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ شیواجی نے اپنی خط و کتابت میں بہت سے اردو الفاظ کا استعمال کیا اور خطابات عطا کیے جیسے حکومت پناہ، شمشیر بہادر وغیرہ۔

تمل زبان میں قصاب، کرسی، چمچہ، بالٹی، قمیص جیسے الفاظ معمولی سی بگڑی شکل میں موجود ہیں جیسے قصاب کے لیے قصابو، بالٹی کے لیے والی، قمیص کے لیے قامچو، کرسی کے لیے کورسی وغیرہ۔

تیلگو میں قیدی (خیدی)، تاریخ (تاریخو)، زمیندار (جمیندار)، قلم (قلمو)، جواب (جوابو)، سوال (سوالو)، منصف (منصبو)، دستاویز (دستاویجلو)، راضی نامہ (راجی نامہ)، درخواست (درخواستو) جیسے الفاظ موجود ہیں۔

ملیالم میں باقی، حاضر، عرضی، ضلع، محضر، وکیل، رد جیسے الفاظ آج بھی موجود ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ باقی کو (باکی)، حاضر کو (حاجر)، عرضی کو (حرجی)، ضلع کو (جلا)، رد کو (ردھ) اور رپورٹ کے لیے محضر کی جگہ محصر لکھا جا رہا ہے۔

اگر چہ ہندی ملک کی سرکاری زبان ہے یعنی 'راج بھاشا' لیکن دیگر زبانیں بھی جنھیں 8ویں شیڈول میں شامل کیا گیا ہے، ملک کی قومی زبانیں ہیں خواہ انھیں علاقائی زبانیں کہا جائے یا کوئی اور نام دیا جائے یا نام نہ دیا جائے۔ اسی پس منظر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دفعہ 351 میں اگر چہ ہندی زبان کو فروغ دینے کے لیے مخصوص ہدایات دی گئی ہیں لیکن وہاں پر بھی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ ہندی زبان کی اشاعت کو فروغ دینے اور اسے مالا مال کرنے کے لیے دوسری زبانوں بشمول اردو سے الفاظ اخذ کیے جائیں۔ یہاں پر بھی واضعین نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ہندی کو علاقائی زبانوں کے قریب لایا جائے۔ مرکزی قوانین کے ہندی تراجم میں وصیت، ثبوت، ثابت، دستاویز جیسے الفاظ آج بھی استعمال کیے جارہے ہیں۔ لفظ دستاویز کا مجموعہ تعزیرات ہند کے ہندی متن کی دفعہ 9 اور قانون شہادت کی دفعہ 3 اور کتنے ہی قوانین میں استعمال کیا گیا ہے اور کیا جارہا ہے۔

اردو آج بھی لسانیاتی منظرنامے پر روشن چراغ کی مانند اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے اور چاروں طرف اپنی روشنی بکھیر رہی ہے۔ البتہ 1947 میں ملک کی تقسیم کے بعد، جسے کچھ تاریخ داں ہندوستان کا جغرافیائی قتل قرار دیتے ہیں، مایوسی کے عالم میں کچھ لوگ اسے 'چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گورغریباں کا' قرار دینے لگے تھے اور آزادی کے بعد کئی سال تک ایسا محسوس بھی کیا جاتا رہا۔

فلسفۂ انسانیت کی رو سے خیالات اور احساسات کے اظہار کا سب سے معتبر اور موثر ذریعہ زبان ہوتی ہے اور وہ بھی مادری زبان۔ زبان کا استعمال مختلف طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔ کوئی اس کا استعمال عبارت کے ذریعہ کرتا ہے (یعنی جب خیال تحریری شکل اختیار کر لیتا ہے)، کوئی اشارت کے ذریعہ، کوئی صوت خوش کن یا صوت دل خراش کے ذریعہ اور کوئی ناز وادا (Body Language) کے ذریعہ۔ اس طرح زبان ہر شکل میں زندہ رہتی ہے۔ ان تمام طریقہ ہائے اظہار کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ البتہ ان کے استعمال کے قانونی حدود ضرور مقرر ہیں۔

آیئے اب مختصراً اس بات پر غور کریں کہ آئین میں اردو کو کس حد تک تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ کسی کثیر اللّسان ملک میں لسانی تکثیریت وہاں کی ثقافتی وابستگی کا مظہر ہوتی ہے اور باہمی

میل جول اور یگانگت کی مضبوط علامت۔ اردو اس کی ایک معتبر زندہ مثال ہے۔ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے صدیوں سے مل جل کر رہتے آئے ہیں۔ بانگ اذان اور صدائے ناقوس دونوں ہی سے اس کی رونق میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ فدائے حرم اور شیدائے صنم پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ انسان دوستی، رواداری اور آپسی بھائی چارہ اس کی وراثت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے آئین کی دفعہ 51 الف میں درج بنیادی فرائض میں یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ ہر شہری کا یہ فرض ہے کہ وہ آئین پر کاربند رہے اور مذہبی، لسانی، علاقائی وطبقاتی تفرقات سے قطع نظر عوام کے مابین یکجہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دیا جائے۔

جہاں تک اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کا سوال ہے تو آئین کی دفعہ 29 میں یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی حصے میں رہنے والے شہریوں کو اپنی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت کو محفوظ رکھنے کا پورا پورا حق حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دفعہ 30 میں یہ توضیع کی گئی ہے کہ تمام اقلیتوں کو خواہ وہ مذہب کی بنیاد پر ہوں یا زبان کی، اپنے پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا اور حکومت تعلیمی اداروں کو امداد عطا کرنے میں کسی تعلیمی ادارے کے خلاف اس بنا پر امتیاز نہیں برتے گی کہ وہ کسی مذہبی یا لسانی اقلیت کے زیر انتظام ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان دونوں دفعات کو بنیادی حقوق کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ کسی بھی ملک کے آئین یا دستور یا قانون اساسی میں بنیادی حقوق کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو جسمانی نظام میں شہ رگ کی اور اگر کسی بھی شخص کے کسی بھی طرح کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو وہ اس کے خلاف ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں رٹ دائر کرسکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آئین کی دفعہ 19 میں آزادئ خیال کا حق بھی عطا کیا گیا ہے اور اس آزادی کا اظہار ہم کسی بھی زبان میں کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آئین میں مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا التزام بھی ہے اور دفعہ 21 الف شامل کرنے کے بعد اس کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے چونکہ اس دفعہ میں حکومت پر اس بات کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ 6 سے 14 سال تک کی عمر کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم مہیا کرائی جائے اور ظاہر

بات ہے کہ اس کام کے لیے کم از کم ابتدائی درجے میں مادری زبان سے بہتر اور کوئی ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آئین میں ابتدائی درجے میں مادری زبان میں تعلیم دینے کی سہولتیں فراہم کرنے سے متعلق دفعہ 350 الف شامل کی گئی ہے۔

آئین کی دفعہ 120 میں یہ التزام ہے کہ پارلیمنٹ کا کوئی بھی رکن اپنے خیالات کا اظہار مادری زبان میں کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے خیالات کا مکمل طور پر اظہار ہندی یا انگریزی میں نہ کرسکتا ہو۔ اس کے لیے پارلیمنٹ میں باقاعدہ Interpreters کا انتظام ہے۔

دہلی، مدراس، کولکاتا اور ممبئی کی High Courts کی Original civil side میں گواہان کے بیانات مقامی زبان میں ریکارڈ کرنے کے لیے بھی Interpreters کا انتظام ہے۔

آئین کی دفعہ 350 کے مطابق ہر شخص کو اپنی شکایت کے ازالہ کے لیے مرکزی سرکار یا ریاستی سرکار کے کسی بھی حاکم کو ان زبانوں میں سے کسی بھی زبان میں عرضداشت پیش کرنے کا حق ہے جو زبان مرکز یا متعلقہ ریاست میں استعمال ہوتی ہو۔ ہمارا آئین Self-enforcing statute یعنی خود بخود نافذ ہونے والا قانون نہیں ہے۔ اس کا نفاذ ایگزیکٹیو کی مختلف ایجنسیوں اور اداروں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی کچھ سرکاری اداروں و ایجنسیوں کے خلاف ایسی شکایتیں موصول ہوتی ہیں کہ اردو میں بھیجی گئی درخواست پر غور نہیں کیا گیا یا وہ قبول نہیں کی گئیں یا بینکوں میں اردو میں دستخط والے چیک قبول نہیں کیے گئے لیکن جب بھی ایسی شکایتیں موصول ہوتی ہیں تو سرکار ان پر مناسب کارروائی کرتی ہے اور ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں قصوروار افسران کے خلاف تادیبی کارروائی بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف محکموں کے لیے سرکار کے ذریعہ مقرر کیے گئے Ombudsmen (محتسب اعلیٰ) سے بھی اس طرح کی شکایتوں کے ازالے کے لیے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

ہر طرح کے نشیب و فراز کے باوجود اردو کی اہمیت و معنویت تا ہنوز برقرار ہے۔ میدان صحافت اور میڈیا میں اردو کا استعمال روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ املے کی غلطیوں سے اردو کا سینہ مسلسل چھلنی ہورہا ہے۔ اس کے علاوہ اردو صرف اس لیے نہیں کہ کسی مخصوص اقلیتی طبقے کو اس کے فروغ سے زیادہ دلچسپی ہے بلکہ وہ دیگر منطقی وجوہات کی بنا پر بھی کبھی

ختم نہیں ہوسکتی اور ہماری حکومت کو اس بات کا مکمل احساس ہے۔ وزارت قانون وانصاف کی آفیشیل لینگویجز ونگ بھارت کے آئین اور کئی سو مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ کر چکی ہے۔ مرکزی قواعد وضوابط کے تحت ان کی اشاعت ریاستی حکومت کی ذمہ داری ہے مگر اس کا خرچ مرکزی حکومت اٹھاتی ہے۔ اردو کے معاملے میں یہ ذمہ داری حکومت جموں وکشمیر، جس کی سرکاری زبان اردو ہے، کو سونپی گئی تھی مگر کچھ انتظامی دشواریوں کے باعث یہ کام وہاں نہیں ہوسکا اور اس سلسلے میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے وزارت قانون کی جانب سے اس کام کو کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ کونسل بھارت کے آئین کے کئی ایڈیشن شائع کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ مجموعہ تعزیرات بھارت اور کئی دیگر قوانین کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور دیگر تراجم زیر طبع ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حکومت ہند نے مستند متن (مرکزی قوانین) ایکٹ، 1973 کے ذریعہ ان تراجم کو وہی قانونی شکل دے دی ہے جو ہندی تراجم کو حاصل ہے۔

کبھی کبھی یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ جس طرح آئین کے ہندی متن کو آئین کی دفعہ 394 الف کے تحت مستند متن کا درجہ دیا گیا ہے تو دیگر زبانوں کے تراجم کو یہ درجہ کیوں نہیں دیا گیا؟ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ یونین کی سرکاری زبان ہندی ہے اور انگریزی زبان کا استعمال محض ایک مخصوص مدت تک کیا جانا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ NCPUL کے توسط سے وزارت قانون کے ذریعہ تیار کیے گئے اردو ترجمے کی اشاعت کو ایک مستند دستاویز نہیں مانا جاسکتا۔ سپریم کورٹ اور مختلف ہائی کورٹوں کی ایسی نظائر موجود ہیں جنھیں اس طرح کے معقول ومعتبر تراجم کو بغرض تعبیر Extrinsic aid کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد پر بہت سے فیصلے بھی دیے گئے ہیں۔ کتنے ہی مصنفین ہیں جن کی کتابوں کے حوالہ جات ہماری عدلیہ کے فیصلوں میں موجود ہیں۔

اس کے علاوہ وزارت قانون اردو میں قانونی جرائد شائع کرنے جیسے کاموں کے لیے مالی امداد بھی فراہم کرتی ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اردو والوں نے اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہمارے وزارت قانون سے آنے والے اسپیکرس اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

اب اردو داں طبقہ خود اس بات کا احتساب کرے کہ اس نے متذکرہ بالا آئینی تحفظات

کا کہاں تک فائدہ اٹھایا ہے اور حکومت کے ذریعہ فراہم کردہ دیگر سہولیات وقائم کردہ اداروں سے وہ کس حد تک مستفید ہوا ہے۔ یہ مانا کہ ہندی کے ساتھ سرکاری زبان ہونے کے ناطے ترجیحی سلوک کیا گیا، جو اس کا حق بھی تھا اور اس کے فروغ کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات بہم پہنچائی گئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی میں بھی حکومت کی طرف سے کوئی روڑے نہیں اٹکائے گئے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو کے فروغ کے لیے بھی بتدریج کچھ نہ کچھ کیا ہی جاتا رہا۔ مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا قیام، جامعہ ہمدرد و جامعہ ملیہ اسلامیہ کو اقلیتی اداروں کا درجہ دیا جانا، اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے لیے قومی کمیشن کا قیام، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و دیگر تعلیمی اداروں کو جہاں جہاں بھی اردو کی تعلیم کا انتظام ہے انھیں کافی فنڈ فراہم کیا جانا، اردو ترقی بیورو اور اس کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا قیام، نصابی کتابوں کی اردو زبان میں این سی ای آر ٹی کے ذریعہ فراہمی، مرکزی و ریاستی سطح پر مختلف مسابقتی امتحانات میں اردو کو شامل کیا جانا اور ایسے دیگر مسابقتی امتحانات میں اردو کو شامل کیے جانے پر غور کرنا جن میں ابھی تک اردو کو شامل نہیں کیا جاسکا ہے، اس بات کا دستاویزی ثبوت ہے کہ حکومت نے اس سلسلے میں اردو کے فروغ کے لیے برابر دلچسپی لی ہے اور متذکرہ بالا اداروں کو دی جانے والی مالی امداد میں برابر اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔ البتہ صرف حکومت پر تو اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ اردو والوں اور ان کے مفادات میں دلچسپی رکھنے والی این جی اوز و دیگر اداروں کو بھی اس سلسلے میں آگے آنا ہوگا۔

انجمن ترقی اردو کو بھی مزید فعال بنانے اور اس کا دائرۂ کار وسیع تر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر سرکاری، نیم سرکاری اور نجی اداروں کو بھی اپنا دائرۂ کار صرف لسانیاتی، ادبی، مطالعاتی، سماجی، بشریاتی اور ثقافتی موضوعات یا علاقائی ادب تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ اس میں دیگر علوم کو بھی شامل کرنا چاہیے جیسے سائنس، انجینئرنگ، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور قانون وغیرہ۔ اس سلسلہ میں NCPUL نے اپنی کوششوں کو ضرور تیز کیا ہے اور خالص ادبی و روایتی موضوعات سے ہٹ کر دیگر علوم کی کتب اور ان کے تراجم نہ صرف شائع کیے ہیں بلکہ بہت کم قیمت پر انھیں عوام، طلبا و دیگر قارئین تک بروقت پہنچانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔

بدلتے ہوئے حالات میں اردو کو ہم زماں و ہم عہد بنانے کے بجائے یہ سمجھا جانے لگا

کہ وہ محض مشاعروں، فلموں اور ناٹکوں کی زبان ہے۔ کیا یہ اس زبان پر ضرب کاری نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ یہ سوچ بھی ایک غلط سوچ ہے چونکہ مشاعرے، فلمیں و ڈرامے نہ صرف تفریح طبع بلکہ عصری مسائل سے عوام اور ارباب حکومت کو آگاہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ان میں صرف گل و بلبل یا جام و مینا کی ہی بات نہیں ہوتی۔ ہم سب پر یہ حقیقت آشکارا ہے اور اسے قاعدہ کلی کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ادب، فنون لطیفہ اور اسی طرح کے پروگرام و تخلیقات صرف تفریح طبع کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ وہ سماج کی خوبیوں و خامیوں کا بھی عکس پیش کرتی ہیں یا بہ الفاظ دیگر سماج کو آئینہ دکھاتی ہیں۔

ہم اپنے ماضی اور ثقافت کو بالکل نظر انداز کر ہی نہیں سکتے چونکہ آئین کے تحت بھی ہمارا یہ بنیادی حق و بنیادی فرض ہے کہ ہم اپنی جداگانہ زبان، رسم الخط اور ثقافت کو محفوظ رکھیں اور آئین پر کاربند رہیں۔ جو لوگ اپنی مادری زبان اردو ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اردو سیکھیں اور سکھائیں۔ صرف شادی کے کارڈ اردو میں چھپوانے اور اس میں چشم براہ، فرزند اکبر، دختر نیک اختر جیسے الفاظ کا استعمال کرنے سے بات نہیں بنے گی۔ معلوم نہیں مدعو کرنے والا یا مدعو کیے جانے والا ان الفاظ کے معانی تو کیا رسم الخط سے بھی واقف ہے یا نہیں۔ دوسری جانب انگریزی سے اتنا عشق کیوں کہ کارڈ کی دوسری جانب انگریزی ضرور ہوتی ہے چاہے خاندان کے کسی شخص کو اس زبان کے حروف تک کی پہچان نہ ہو۔ اس سوچ کو بدلنا ہوگا۔

آیئے اب ہم ان اداروں کی بات کریں جنھیں اردو کی ترقی و ترویج کا کام سونپا گیا ہے۔ ان اداروں میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے اور اس نے کافی حد تک اس ضمن میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے قانونی ادب کی اشاعت کو بھی اپنے دائرۂ کار میں شامل کرلیا ہے۔ اس نے دستور ہند کے علاوہ قانونی لغات، تعزیری و سول قوانین سے متعلق اچھی خاصی تعداد میں کتابیں شائع کی ہیں۔ میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس کام میں ماضی قریب میں زیادہ تیزی آئی ہے۔ چونکہ میں اس ادارہ اور اس کے پیشرو ادارہ سے تقریباً 40 سال سے وابستہ رہا ہوں۔ مجھے شیخ الجامعہ اور ایک عظیم تاریخ داں پروفیسر ایم مجیب کی خواہش کے مطابق سید حامد صاحب کی سربراہی میں 70 کی دہائی میں کونسل کے پیشرو

ادارہ ترقی اردو بیورو کے ذریعہ قائم کی جانے والی Committee on Administrative Terms کا رکن بنایا گیا تھا اور ساتھ ہی مجھے قانونی اصطلاحات جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ 1984 میں سپریم کورٹ کے سابق جج جسٹس AN Grover و دیگر ماہرین قانون و دانشوروں کے ساتھ مجھے کونسل کے لاء پینل کا رکن بنایا گیا اور اس کے بعد سے میں پروفیسر طاہر محمود صاحب کی سربراہی میں قائم لاء پینل میں بحیثیت رکن بغیر نخرے دکھائے بڑی سادگی سے حتی المقدور خدمت کر رہا ہوں۔

اگر حکومت، عوام اور اردو داں طبقہ تینوں مل کر صدق دلی سے یہ چاہیں کہ اردو اس ملک میں پھلے پھولے اور اسے اس کا حق ملے تو اس ہدف کو پورا کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے لیے عمل پیہم، نیک نیتی و معقول حکمت عملی درکار ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ باتیں کہ اردو بڑی شیریں زبان ہے، ہماری گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے، ہماری ادبی محفلوں کی جان ہے، ہمارے ماضی کی پہچان ہے، ہماری ملی جلی ثقافت کی نمائندہ ہے، ہماری فلموں اور نغموں کی روح ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے سیکولرازم کی نشانی بے معنی ہو جائے گی۔ اب اردو کو صرف گنگا جمنا تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کی رسائی گوداوری، نرمدا، کاویری، برہم پتر، مہاندی، تاپتی، کرشنا، ستلج اور چھوٹے چھوٹے ندی نالوں اور نہروں تک بھی ہونی چاہیے۔ اردو کو روزگار سے جوڑے بغیر یہ ہدف پورا ہونا آسان کام نہیں۔ یہ کام اکیلے حکومت نہیں کر سکتی۔ اس ضمن میں ہماری حکومت، نجی سیکٹر اور عوام تینوں کو مل کر سرگرم رول ادا کرنا ہوگا۔

ہماری سپریم کورٹ نے بھی ٹی ایم اے پائی والے معاملے میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ قوم کی تشکیل میں ملک کے ہر باشندے کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ ہر ٹکڑا یعنی ہر فرقہ اپنے رنگ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ کوئی بھی ٹکڑا خود ایک معمولی پتھر ہو سکتا ہے لیکن جب اسے صحیح ڈھنگ سے لگایا جائے گا تو اس سے بھارت کے الگ الگ رنگ اور روپ کی مکمل تصویر ابھر کر سامنے آئے گی۔

قانون کے حوالے سے اردو کا جو ہم نے اوپر مختصراً جائزہ لیا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ حالانکہ کہنے کو بہت کچھ تھا اگر کہنے پے آتے، مگر وقت کی کمی ایسے موقعوں پر اکثر آڑے آجاتی

ہے۔ہم آخر میں کچھ سجھاؤ پیش کرتے ہیں:

1 NCPUL سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے تحت قائم کیا گیا ایک ادارہ ہے۔اگر اس ادارے کا قیام باقاعدہ قانون بنا کر کسی ایکٹ کے تحت کیا جاتا یا کیا جائے تو اس کی قانونی حیثیت میں چار چاند لگ جائے گا اور اس کے اختیارات میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

2 بھارت کے آئین کا آسان اردو اور آسان ہندی میں مختصر Diglot ایڈیشن تیار کرایا جائے اور اسے علمی، مذہبی و فلاحی اداروں میں مفت تقسیم کرایا جائے تاکہ لوگوں کو اپنے بنیادی حقوق اور بنیادی فرائض کی جانکاری حاصل ہو سکے۔

3 فارسی، عربی و دیگر زبانوں کی World classics کا اردو میں ترجمہ کرایا جائے۔اس کے لیے ہندی کے لیے بنائے گئے ٹرانسلیشن بیورو کی طرز پر اردو ٹرانسلیشن بیورو بنایا جائے۔

4 NCPUL کو چاہیے کہ جن قوانین سے عوام کا زیادہ واسطہ پڑتا ہے وہ ان سے متعلق کتابچے شائع کرے جیسا کہ اس نے خواتین سے متعلق جرائم کی بابت حال ہی میں کتابچہ شائع کیا ہے۔دیگر کتابچے درج ذیل امور کی بابت شائع کیے جا سکتے ہیں:

i این جی اوز کیسے بنائیں
ii کمپنی یا پارٹنرشپ کیسے بنائیں
iii ایکسپورٹ امپورٹ کیسے کریں
iv مختلف قسم کے کاروبار کرنے کے لیے لائسنس کس طرح حاصل کریں
v سرکاری اسکیموں سے کس طرح فائدہ اٹھائیں
vi تعلیمی ادارے کس طرح قائم کیے جائیں

ان سب کی تشہیر مرکزی و ریاستی حکومتوں کو اس طرح کرنی چاہیے جس طرح Consumer Laws کی کی جا رہی ہے۔

5 NCPUL کو چاہیے کہ وہ میڈیا کے لیے ضابطۂ اخلاق سے متعلق کتابیں شائع کرے اور صحافیوں کے لیے تربیتی پروگرام کا انعقاد کرے یا اس کے لیے کوئی ادارہ قائم کرے تاکہ ہمارا میڈیا اور بہتر کردار ادا کر سکے۔تربیت کے دوران صحافیوں کو بنیادی قوانین اور قانونی

اصطلاحات سے متعلق ضروری معلومات بھی فراہم کی جانی چاہیے تاکہ وہ قانونی معاملات کی رپورٹنگ میں زیادہ محتاط رویہ اختیار کرسکیں مگر اس طرح کہ ان کی آزادی کو کسی بھی طرح زک نہ پہنچے۔ جہاں تک اصطلاحات کی بات ہے کبھی کبھی ہمارے صحافیوں کو قانونی اصطلاحات کو سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے جیسے:

☆ Order in limine

☆ Interim order

☆ Obiter dicta (observation)

☆ Appeal is allowed, accepted, admitted, injunction, stay

☆ Act, statute, statute (of Aligarh Muslim University), law, bye- law, rule, sub-rule, regulation.

☆ Affray, riot

☆ Contract,agreement,treaty,covenant,convention,bargain,transaction.

☆ Proposal, resolution, motion.

☆ Intent, intention, motive, purpose, object, objective.

☆ Adjourn, postpone, defer, abeyance,

☆ Cancel, repudiate, abrogate, repeal, rescind, supersede, annul, null and void, quash, set aside, revert.

کبھی کبھی یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ ملزم کو قبل از وقت مجرم قرار دے دیتے ہیں اور کبھی کبھی غیر ارادی طور پر کسی عبوری حکم کو حتمی حکم مان لیتے ہیں۔ قانون کی رپورٹنگ ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے اور اس معاملے میں مبالغہ آرائی یا الفاظ سے کھیلنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہاں تک کہ ترجمے کے وقت بغرض تعبیر 'کو ما' کو بھی کما حقہٗ اہمیت دینی پڑتی ہے اور کبھی کبھی آرٹکل 'The' کا بھی ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک شاعر ایک ایسے کردار کی بات کرسکتا ہے جو اپنی محبوبہ کے لیے آسمان سے تارے توڑ کر لاسکتا ہے لیکن قانون اس بات کو تبھی مانے گا جب بذریعہ شہادت یہ ثابت کردیا

جائے کہ حقیقتاً متعلقہ شخص بموجودگی گواہان آسمان پر گیا، وہاں اس نے ستارے توڑے، انھیں لاکر اپنی محبوبہ کو دیے اور اس کے بعد عدالت کے روبرو ان ستاروں کو پیش کیا، عدالت نے ان ستاروں کے ستارے ثابت ہوجانے پر باقاعدہ Exhibit نمبر ڈالا اور اسے باقاعدہ ریکارڈ کا حصہ بنایا۔

6 NCPUL کو چاہیے کہ وہ مختلف شعبوں میں انعامات دینے سے متعلق کوئی اسکیم شروع کرے۔ ان شعبوں میں قانون کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ چونکہ ہمارے اس طرح کے اداروں نے قانونی ادب کو تاہنوز کما حقہٗ اہمیت نہیں دی ہے۔ البتہ گزشتہ 2 سال میں NCPUL نے اچھی خاصی تعداد میں قانون سے متعلق کتابیں شائع کی ہیں اور اپنے اردو ماہنامہ ''اردو دنیا'' میں قانونی موضوعات پر مضامین بھی شامل کیے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کے ذریعہ حال ہی میں شائع کیے جانے والے ماہنامہ ''خواتین دنیا'' میں بھی قانونی موضوعات کو شامل کیا گیا ہے۔

7 وزارت قانون ہندی میں قانون سے متعلق لکھی گئی کتابوں کو کئی دہائیوں سے ہر سال انعامات دیتی رہی ہے مگر اردو سمیت دیگر زبانوں کو اس اسکیم میں ابھی تک شامل نہیں کیا گیا ہے۔ مرکزی حکومت کو چاہیے کہ وہ 8ویں شیڈول میں شامل تمام زبانوں میں لکھی گئی کتابوں پر بھی انعامات دے۔

8 NCPUL کو ملکی پیمانے پر اردو میں نصابی کتابیں دستیاب کرانے اور اردو اساتذہ کا انتظام کرنے کی ذمہ داری سونپی جانی چاہیے اور اس کے لیے مزید عملہ فراہم کیا جانا چاہیے۔

9 یہ عام شکایت ہے کہ نصابی کتب طلبا کو وقت پر دستیاب نہیں کرائی جاتیں۔ NCPUL اور NCERT کے اردو شعبے کو مزید سہولیات و عملہ فراہم کیا جائے تاکہ وقت پر نصابی کتابیں مہیا کرائی جاسکیں۔

10 اردو اساتذہ کی تقرری کے معاملے میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو زیادہ سنجیدگی سے کام لینا چاہیے۔

11 اردو داں طبقے کو چاہیے کہ وہ سرکاری اسکیموں سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور اگر اسے کہیں دقت پیش آتی ہے تو متعلقہ محکموں اور اداروں کو اس سے آگاہ کرے تاکہ اصلاحی کارروائی

کی جاسکے۔

12 انجمن ترقی اردو جو اردو کی بقا اور اس کے فروغ سے متعلق ایک انتہائی معتبر ادارہ ہے۔ اسے بھی چاہیے کہ وہ اپنے دائرۂ کار میں ادب کی دیگر جہات کی طرح قانونی ادب کو بھی شامل کرے۔

13 ملک کے مختلف حصوں میں قائم اردو اکادمیوں کو مزید فعال بنانے کے لیے انھیں بہتر سہولیات اور مالی امداد فراہم کی جانی چاہیے تاکہ وہ بھی ادبی لٹریچر کے ساتھ ساتھ رفاہ عامہ سے متعلق مواد بھی شائع کرسکیں۔

ریاست جموں وکشمیر کی عدالتوں میں اردو کا استعمال

پروفیسر سید محمد افضل قادری

ہندوستان ایک کثیر اللّسان ملک ہے جہاں کے رہنے والے مختلف مذاہب کو مانتے ہیں اور مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان میں وفاقی نظام حکومت رائج ہے اس وجہ سے اس ملک کے آئین کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر فرقہ اور ہر شخص کی ذاتی رائے کا احترام کیا جائے۔ دنیا کے دوسرے ممالک مثلاً آسٹریلیا اور امریکہ میں زبانوں کی ہم آہنگی ہے لیکن ہندوستان میں ایسا نہیں ہے۔ شمالی اور جنوبی ہندوستان میں الگ الگ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہندوستان کی بعض زبانیں اپنی قدامت اور ثقافت کے اعتبار سے کافی اہم ہیں۔

ہندوستان کے آئین سازوں نے جب کسی ایک زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے معاملہ پر بحث کی تو ان کو کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی پارلیمنٹ کے بحث ومباحثہ کو اگر غور سے دیکھ جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کسی ایک زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے مسئلہ پر کافی بحث ہوئی اور آخر میں مندرجہ ذیل نکات پر اتفاق رائے ہو گیا۔

1 یہ کہ آنے والے وقت میں انگریزی زبان کو اس کی موجودہ امتیازی حیثیت سے ہٹایا جائے۔

2 انگریزی زبان کی جگہ ہندی زبان کو لاگو کیا جائے۔

3 اس سلسلے میں ایک اہم فیصلہ لیا گیا وہ یہ تھا کہ ہندی کو انگریزی کے بدلے استعمال کرنے کے لیے ایک مقررہ معیاد اور وقت رکھا جائے۔ لیکن اس سلسلے میں جو مشکل سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ہندی نہ جاننے والے افراد کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ہندی زبان ان پر زبردستی تھوپ نہ دی جائے۔ اس وجہ سے آئینی اسمبلی کے لیے یہ ایک پیچیدہ اور مشکل کام تھا۔

اگر ہم آئین ہند کی زبان سے متعلق دفعات کا مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ زبان کے مسئلہ کے حل کے لیے یہ دفعات موجود ہیں جن کے ذریعہ ہندی جاننے اور نہ جاننے والوں کے درمیان کسی بھی شبہ کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں آئین ہند نے کچھ اصول وضع کیے ہیں جو یوں ہیں:

1 ہندوستان میں اگلے پندرہ سال تک انگریزی کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے گا۔

2 پندرہ سال گزرنے کے بعد انگریزی کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے گا۔

3 اس دوران حکومت، سرکار ہندی کو بڑھاوا دینے اور اس کی ترقی کے لیے کوشش کرے گی۔

4 کسی بھی ریاست کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کسی اور ہندوستانی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دے۔

ہندوستان کے آئین کو بنانے والے فوراً ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے حق میں نہیں تھے اسی لیے انھوں نے ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر اپنانے کے لیے پندرہ سال کا وقفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس دوران مرکزی سرکار کا سارا کام کاج انگریزی زبان میں ہی ہوتا رہا۔

اس سلسلے میں ہندوستانی آئین کے دفعہ 2، 3 میں اس بات کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

دفعہ 343(1) میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کو چھوڑ کر آئین ہند کے نفاذ کے پندرہ سال تک مرکز میں انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ ہوگا اور سارے حکومتی کاموں کے لیے یہ زبان استعمال میں لائی جائے گی۔ جن کے لیے آئین ہند کے نفاذ سے پہلے استعمال میں لائی جاتی تھی۔ صدر جمہوریہ کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگا کہ وہ انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندی کے استعمال کی اجازت بھی دے دیں۔

پندرہ سال کے وقفہ کا ذکر جو اوپر کیا گیا ہے وہ کوئی حتمی Dead line نہیں تھا بلکہ ایک اصول کے طور پر وضع کیا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ آئین کی دفعہ 343(2) نے پارلیمنٹ کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ انگریزی زبان کو پندرہ سال کے بعد بھی حکومتی سطح پر استعمال کر سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ ہندی کے استعمال اور اس کی ترقی کو کسی طرح سے روکا جائے۔ اس دفعہ کے ہرگز یہ معنی نہ تھے کہ کسی بھی طریقہ سے ہندی زبان کے سرکاری استعمال پر کوئی پابندی ہو یا اس کا سرکاری دفاتر میں کم استعمال ہو۔ آئین کے دفعہ (1) 343 کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آئین ہند کے نفاذ کے پانچ سال کے اندر اندر ایک لسانی کمیشن کا قیام عمل میں لایا جائے اور اسی دفعہ میں اس لسانی کمیشن بنانے کے لیے ایک مفصل خاکہ دیا گیا ہے۔

صوبائی زبانیں

آئین بنانے والوں کے لیے ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ نظام حکومت میں صوبائی زبانوں کو مستقبل میں کیسے محفوظ رکھا جائے اور ان زبانوں کے استعمال کو کس طرح سے باقی رکھا جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ صوبائی زبانوں کو مرکزی سرکار میں ایک خاص جگہ دی جائے تا کہ وہ ملک کی ترقی میں اپنا بھرپور حصہ ادا کر سکیں اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے آئین ہند میں ترمیم کر کے لسانی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کی 22 زبانوں کو آئین کے آٹھویں شیڈول میں شامل کیا گیا ہے اور اس میں اردو زبان بھی ہے۔

جموں وکشمیر میں پوزیشن کیا ہے؟

ریاست جموں وکشمیر ہندوستان کے وفاقی نظام کا ایک حصہ ہے۔ لیکن ہندوستان کے وفاق میں جموں وکشمیر کی ایک مخصوص پوزیشن ہے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان ریاست کے رشتہ کی بنیاد دفعہ 370 ہے۔ اس وجہ سے ریاست کا نہ صرف اپنا آئین ہے بلکہ اس کا اپنا الگ جھنڈا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کی سرکاری زبان اردو ہے۔ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے کچھ تاریخی وجوہات بھی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ افغان دور حکومت میں اردو ریاست کی سرکاری زبان تھی اور پھر سکھ اور ڈوگرہ دور حکومت میں بھی یہی زبان ریاست کی سرکاری زبان تھی۔ انگریزوں کے دور حکومت میں بھی

ریاست کی سرکاری زبان اردو تھی اور عدالتوں اور محکمۂ مال میں سارا سرکاری کام اسی زبان میں انجام دیا جاتا تھا۔ ریاست جموں وکشمیر تین حصوں پر مشتمل ہے جن کے نام جموں، کشمیر اور لداخ ہیں۔ ڈوگرہ حکمرانوں نے ریاست میں کافی دیر تک حکومت کی اور ان کے دور حکومت میں زیادہ تر سرکاری افسران اردو زبان سے واقف تھے اس لیے سرکاری اداروں میں زیادہ تر کام اردو زبان میں ہی ہوتے تھے اور اسی طرح سے یہ زبان ریاست کی سرکاری زبان بھی تھی۔ جموں وکشمیر کے آئین کی دفعہ 145 کے مطابق اردو زبان کو ریاست کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اس بات کا ذکر ریاستی آئین کی دفعہ 145 میں یوں کیا گیا ہے۔

> ''ریاست کی سرکاری زبان اردو ہوگی۔ لیکن انگریزی زبان بھی استعمال تب تک ہوگی جب تک ریاستی اسمبلی اس کے برعکس کوئی قرارداد پاس نہ کرے گی''۔

لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ ابھی تک ریاستی اسمبلی نے کوئی ایسی قرارداد پاس نہ کی ہے جس کی وجہ سے انگریزی کے استعمال کو ختم کیا جاتا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ اردو ریاست کی دفتری زبان ہے۔ تفصیل کے لیے آئین ہند کی ساتویں ترمیم کا مطالعہ کیا جائے۔

جموں وکشمیر میں اردو (از نشاط انصاری)

یہ دفعہ ہندوستانی آئین کی دفعہ 345 کے مماثل ہے۔

گرچہ ہندی سرکاری زبان ہے لیکن عملی طور پر اس کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کی عدالت عالیہ کا یہ بھی ماننا ہے کہ اردو نہ صرف ریاست کی سرکاری زبان ہے بلکہ یہ عدلیہ کی بھی سرکاری زبان ہے۔ ریاستی عدلیہ نے اندر جیت گپتا بنام ریاست جموں وکشمیر مقدمہ میں اس بات کا اعادہ یوں کیا ہے کہ اردو حکومت جموں وکشمیر کی نہ صرف سرکاری زبان ہے بلکہ اس کو آئین کے ساتویں باب میں بھی سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے اس بات کے مطابق ریاست میں ایک ہائی کورٹ ہوگی جس کو توہین عدالت کے لیے سزا دینے کا بھی اختیار ہوگا۔ ہائی کورٹ کے کام کاج کی جو بھی زبان ہوگی وہ ریاست کی سرکاری زبان ہوگی۔ اس کے

علاوہ سرکاری زبانوں کے قانون معہ یہ 1943 کا اطلاق بھی جموں وکشمیر پر نہیں ہوگا اس طرح سے سرکاری زبان کا مسئلہ جموں وکشمیر کے آئین کی دفعہ 145 کے اصولوں کی بنیاد پر طے ہوگا۔

ریاست جموں وکشمیر میں اردو کا استعمال اس حد تک نہیں ہوتا ہے جس حد تک اس کا استعمال ہونا چاہیے تھا۔ ریاستی عدلیہ میں اردو کا استعمال بہت ہی کم ہوتا ہے۔ حالانکہ محکمہ پولیس اب بھی کسی حد تک اردو کو ایک سرکاری زبان کے طور پر اپنے روزمرہ کے کام میں استعمال کرتا ہے۔ پولیس تھانوں میں کسی حد تک اردو کا استعمال رپورٹ ابتدائی FIR، ضمانت Case Diary اور گواہوں کے بیانات قلمبند اور فرد ضبطی وغیرہ لکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح ریاست کی نچلی عدالتوں اور محکمۂ مال میں بھی اردو کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ پہلے محکمہ کے سبھی پولیس افسران اور ان کے ماتحت عملہ روزمرہ کے سبھی سرکاری کام اردو میں ہی انجام دیتے تھے۔ لیکن اب چونکہ زیادہ تر نئے پولیس افسران اور عدالتوں کے جج صاحبان اردو سے ناآشنا ہیں اس لیے وہ زیادہ تر کام انگریزی میں ہی کرتے ہیں۔ اس میں ریاست میں باہر سے آنے والے IPS افسران سب سے آگے ہیں۔

جہاں تک ریونیو عدالتوں کا تعلق ہے۔ چونکہ محکمۂ مال کے سارے کاغذات وغیرہ اردو میں ہی ہیں۔ اس لیے ان عدالتوں میں سارا کام اردو زبان میں ہوتا ہے۔ چونکہ محکمۂ مال کے سارے کاغذات مثلاً خسرہ گرداوری، جمعبندی، ریاستی باشندہ ہونے کا سرٹیفکٹ وغیرہ اردو زبان میں ہی ہوتے ہیں، اس لیے اردو کا استعمال ضروری بن جاتا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب ان کاغذات کی فراہمی اور ان کے لکھنے میں بھی اردو کا استعمال کم ہونے لگا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محکمہ میں جن افسران اور عملہ کی تقرری ہوتی ہے وہ اردو زبان سے واقف نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں جب راقم نے محکمۂ مال کے افسران سے بات کی تو انھوں نے اس بات کی تصدیق کی اور بتایا کہ جموں اور لداخ سے جن افراد کا تقرر محکمۂ مال میں ہوتا ہے وہ اردو سے تو بالکل ہی واقف نہیں ہوتے یا اردو کے بجائے انگریزی کے استعمال کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک وقت محکمۂ مال میں تقرری کے لیے اردو زبان کا جاننا ضروری تھا لیکن اب یہ شرط قریب قریب ختم ہی کر دی گئی ہے۔ اردو نہ جاننے کے باوجود محکمۂ مال میں ان افسران کو تعینات کیا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ

یونیورسٹی سے فارغ التحصیل وکلا اردو کے استعمال سے بالکل ناواقف ہیں اور وہ اپنا سارا کام انگریزی ہی میں کرتے ہیں اور جہاں دستاویزات اردو میں ہوں تو عرضی نویس سے مدد لیتے ہیں۔

ریاستی ہائی کورٹ میں کم وبیش سارا کام انگریزی زبان میں ہی ہوتا ہے۔ہائی کورٹ میں جج صاحبان کا تقرر بیرون ریاست سے ہوتا ہے۔ان میں سے بعض جج صاحبان کو اردو زبان پڑھنے اور سمجھنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس طرح سے ہائی کورٹ میں اردو کا استعمال تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

نچلی عدالتوں میں ضلع جج کی عدالت تک اب بھی کسی حد تک اردو عدالت کی زبان ہے۔اس سلسلے میں جب راقم نے کچھ جج صاحبان سے بات کی تو ان کی یہ رائے تھی کہ اگر چہ پہلے نچلی عدالتوں میں سارا کام کاج اردو زبان میں ہی ہوتا تھا۔لیکن دھیرے دھیرے اب یہ ختم ہو رہا ہے اور اس کی جگہ انگریزی زبان نے لے لی ہے۔یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ریاست میں خصوصاً وادی میں ضلع جج کی عدالت تک سارا عدالتی کام کاج جیسے درخواست لکھنا، گواہوں کے بیانات قلمبند کرنا اور وکیلوں کا کسی نکتہ پر بحث ومباحثہ اردو زبان میں ہی کیا جاتا ہے۔لیکن بدقسمتی سے اب عدلیہ میں جن نئے جج صاحبان کا تقرر عدالتوں میں کیا جاتا ہے اردو زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے زیادہ تر کام انگریزی میں ہی انجام دیتے ہیں۔اس کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ جج صاحبان جن قانونی اداروں سے پڑھ کر آتے ہیں وہاں ان کو اردو پڑھائی ہی نہیں جاتی۔یہ بات کسی مبالغہ کے بغیر بھی کہی جاسکتی ہے کہ ہائی کورٹ کے کچھ جج صاحبان اردو سے ناواقف ہیں۔ جس کی وجہ سے جب بھی کوئی دستاویز اردو میں ہوتی ہے تو اس کا ہو بہو انگریزی ترجمہ کر کے جج کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔وہ تمام دیوانی مقدمات جو ہائی کورٹ میں دائر کیے جاتے ہیں تو ان مقدمات میں ریونیو کاغذات، ریکارڈ چونکہ اردو میں ہوتے ہیں۔اس لیے ان تمام کاغذات مثلاً حقائق نقل، انتخاب خسرہ گرداوری کا ترجمہ انگریزی میں کر کے اپیل کی درخواست کے ساتھ عدالت میں داخل کیا جاتا ہے۔اسی طرح سے فوجداری معاملات میں جو دستاویزات مثلاً رپورٹ ابتدائی 'FIR' ضمانتی case diary فرد ضبطی Seizure memo گواہوں سے لیے گئے بیانات کا انگریزی ترجمہ عدالت عالیہ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ریاستی پولیس افسران نے اس بات کی

تصدیق بھی کی ہے کہ نئے تعینات شدہ پولیس کے اہلکار، افسران جن کے ذمہ جرائم کی تحقیقات کرنا ہے، زیادہ تر کام اردو کے بجائے انگریزی زبان میں ہی انجام دیتے ہیں۔ خصوصاً جو افسران باہر ریاستوں سے IPS کے کوٹہ میں ریاست میں تعینات کیے جاتے ہیں ان کی اچھی تعداد اردو زبان سے بالکل واقف نہیں ہے۔

ان سبھی دستاویزات کا انگریزی ترجمہ ریاستی عدلیہ سے وابستہ ریٹائیرڈ ملازمین بخوبی انجام دیتے ہیں اور ان کے ترجمہ شدہ دستاویزات درست تصور کیے جاتے ہیں اور ان ہی ترجموں کو اپیل، نگرانی وغیرہ کی درخواستوں کے ساتھ متعلقہ وکلا منسلک کر لیتے ہیں۔

اگر ریاست جموں وکشمیر کی عدالتوں میں اردو کے استعمال کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ریاست کی عدالتوں کی سرکاری زبان اگرچہ اردو ہے لیکن اس کا استعمال اب بہت کم رہ گیا ہے اور اگر یہی حال رہا تو اگلے کچھ سالوں میں عدالتوں میں اس کا استعمال ختم ہوجائے گا اور اس کی جگہ انگریزی کو مل جائے گی۔ ریاست کی عدالتوں میں اردو کے استعمال کے زوال کی وجہ یہ ہے کہ عدالتوں کے جج صاحبان، عدالتوں میں کام کرنے والے عملہ، مقدمات سے جڑے عملہ، پولیس افسران، تھانوں میں تعینات تفتیشی عملہ، وکلا اردو زبان سے بہت کم واقف ہیں۔ ان میں سے بیشتر نے اردو بطور ایک مضمون کے کبھی پڑھی نہیں ہوتی ہے۔ نہ ہی یہ حضرات اس پیشہ، ملازمت میں آنے کے بعد اردو پڑھنا سیکھنا چاہتے ہیں۔

حکومت اگر اردو کو عدلیہ اور اس سے وابستہ اداروں میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ قائم رکھنے کے بارے میں سنجیدہ ہے تو ضرورت ہے کہ سرکار مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل کرے اور ایسے اقدامات اٹھائے جن سے اردو کو ان اداروں میں اپنا کھویا ہوا مقام پھر حاصل ہو سکے۔

1 ریاست کے مقابلہ جاتی امتحانات جیسے کشمیر جوڈیشیل سروس اور کشمیر ایڈمنسٹریٹیو سروس کے لیے اردو کو ایک لازمی مضمون بنایا جائے۔

2 ریاستی یونیورسٹیوں میں جہاں جہاں قانون کے شعبہ جات ہیں اور جہاں قانون کی پڑھائی ہوتی ہے وہ اپنے نصاب تعلیم میں اردو پڑھانے کا اہتمام کریں اور قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے اردو کو ایک لازمی مضمون قرار دیا جائے۔

3 ریاست کی جوڈیشیل اکیڈمی مستقل طور پر جج صاحبان اور عدالتوں سے وابستہ ملازمین کے لیے ہر سال ریفریشر کورس کا انعقاد کریں تا کہ یہ لوگ عدالتوں میں اردو کی افادیت اور ضرورت سے آگاہ ہوں۔

4 ریاستی یونیورسٹیوں میں وکلا کے لیے اردو سکھانے اور پڑھانے کے لیے ہر سال ایک ریفریشر کورس کا اہتمام کیا جائے۔

5 NCPULایک ایسا پروجیکٹ ہاتھ میں لے جس کے ذریعہ قانونی اصطلاحات اردو ڈکشنری تیار کریں جس سے جج صاحبان اور وکلا کو قانونی اصطلاحات کا ترجمہ مل جائے۔ اس کے علاوہ روز مرہ کے استعمال میں آنے والے دستاویزات جیسے بیان حلفی، شراکت نامہ، ہبہ وغیرہ کا کام آسان زبان میں اردو ترجمہ تیار کر کے اسے چھاپ لے۔

6 ریاستی عدلیہ ایسے توسیعی خطبات کا اہتمام کرے جہاں اردو سے واقف قانونی ماہرین جج صاحبان، وکلا اور دوسرے عملہ سے تبادلہ خیال کر لیں۔

اردو کی دستوری وقانونی حیثیت کا تعین
اتر پردیش ہندی ساہتیہ سمّیلن کے فیصلے کی روشنی میں

محمد ظفر محفوظ نعمانی

اردو کی لسانی حیثیت

بھاشا ریسرچ اینڈ پبلیکیشن سنٹر، وڈوڈرہ (گجرات) کے ذریعہ 2013 میں کیے گئے ملک کے سب سے بڑے لسانی سروے نے ہندوستان کی 780 ہندوستانی زبانوں کی شناخت کی ہے۔ سروے کے مطابق، 480 زبانیں اور خانہ بدوش قبائل کے ذریعہ بولی جاتی ہیں اور تقریباً 80 ساحلی زبانیں ہیں۔[1] 22/ زبانیں دستور ہند کے شیڈول میں شامل ہیں اور دیگر 100/ زبانیں نان شیڈولڈ ہیں جنھیں دستوری شناخت حاصل نہیں ہے، البتہ انھیں سرکاری طور سے ریاستوں کے ذریعہ قانون کے تحت یا ہدایتی وانتظامی احکامات کے ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ زبانوں کے رواج کے سلسلہ میں سرکاری یا غیر سرکاری طور سے ریسرچ کی کمی ہے۔ کئی ریاستیں ہیں جہاں ایک سے زائد سرکاری زبانیں ہیں، نتیجہ کے طور پر تنازعات اور لسانی شناخت کے دعوے کی مقابلہ آرائی پائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں زبان کی دستوری تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کانگریس پارلیمانی پارٹی نے

1949 میں ایک ووٹ سے گاندھیائی فارمولہ کو خارج کر دیا اور دستور ساز اسمبلی نے ایک صوتی ووٹ سے ہندی کو قومی زبان اور رابطہ کی زبان کے طور پر تسلیم کیا جسے عام بول چال کی زبان (لنگوا فرینکا[2]) کہا جاتا ہے۔ دستور نے اردو کو تحریک آزادی کی تاریخ میں کلیدی کردار کے باوجود ایک قومی زبان تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ یہ کہا گیا کہ اردو 14 دیگر زبانوں کے ساتھ ایک شیڈولڈ زبان ہوگی اور آزادیٔ ہند کے بعد یہ اس کی ترقی کے لیے کافی ہوگا[3]۔ اردو بولنے والی آبادی کی لسانی امنگوں کو زندہ رکھنے کے لیے دستور نے ایک کمشنر برائے لسانی اقلیات کی تقرری کی تاکہ دستور ہند 1950 کی دفعہ 29[4]، اور 30[5] کے ذریعہ عطا کیے گئے اقلیتوں کے لسانی حقوق کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ اس قانونی امید اور دستور کے لچیلے کردار نے محبان اردو میں کمشنر برائے لسانی اقلیات کے ذریعہ اس کی سالانہ رپورٹوں میں ان کے حالات کی ترجمانی کے لیے ایک مصنوعی جوش پیدا کر دیا۔ اسے متعدد لسانی سروے نے ریاستوں میں اردو کے احیا کے لیے آئی کے گجرال، علی سردار جعفری اور رنگ ناتھ مشرا کمیشن کی تشکیل کی۔ ان کی سفارشات سے بھی محبان اردو کو تقویت ملی، لیکن حقیقتاً ہندوستان میں اردو کے زوال اور اس کے خاتمہ کو روکنے کے لیے کوئی عملی ردعمل سامنے نہیں آیا۔ اس مقالہ میں عمومی طور سے اردو کی وہ دستوری صورت حال اور خاص طور سے اتر پردیش میں یو پی ہندی ساہتیہ سمیلن کے فیصلے کے سیاق وسباق میں اس کے آئینی اور قانونی پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ مقالہ میں اس فیصلے کو خاص طور سے اتر پردیش میں اور عام طور سے ہندوستان میں اردو کی ترقی کے لیے آخری معرکہ قرار دیا گیا ہے۔

تاریخی اور ثقافتی پس منظر

موضوع کو معتبر بنانے کے لیے لازمی ہے کہ آزاد ہند سے قبل اور مابعد آزادی ہند میں اردو زبان کے نشیب وفراز کا مختصر تاریخی جائزہ پیش کیا جائے۔ تقسیم ملک کے بعد اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا حالانکہ اسے پاکستان کی آبادی کا صرف 5 فیصد بولتا تھا۔ اردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیے جانے کے بعد ہندوستان اسے قومی زبان قرار دینے کی تاریخی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا اور اردو کو صرف ایک شیڈولڈ زبان کا درجہ دینے پر اکتفا کر لیا۔ ہجرت ونقل مکانی کے نتیجہ میں ہندوستان کی طرف کی ہندو برادری نے بشمول پاکستان سے آنے والے اردو اور پنجابی

بولنے والے پناہ گزینوں نے رفتہ رفتہ خود کو اردو سے الگ کرلیا۔ ساحر لدھیانوی نے اس احساس کو کرب کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

آزادئ کامل کا اعلان ہوا جس دن
معتوب زباں ٹھہری غدار زباں ٹھہری

قیام پاکستان کے بعد اردو، پاکستان کی قومی زبان کے طور قائم کی گئی۔ دراصل اردو ہندوستان سے ہجرت کرنے والے مہاجروں کی زبان بن جانے سے ہندوستان میں اردو ایک متعصب زبان کے طور پر پہچانی جانے لگی۔ وہیں دوسری طرف ہندوستان میں حاشیہ پر پڑے مسلمانوں کی زبان کے دائرہ سے چند ایک استثنا کو چھوڑ کر اب تک باہر نہیں نکل پائی ہے۔ اردو پاکستان ہجرت کر گئی، ساتھ ہی اس نے نئے راستے تلاش کیے اور سات سمندر پار خلیج، یورپ اور امریکہ میں اس کے ٹھکانے بن گئے جہاں کچھ یونیورسٹیاں اس کے سفیروں کے لیے زحمت میں رحمت کی شکل میں کورسیز چلا رہی ہیں، اردو کی یہ نئی ترقی جو داغ کے اس دعوے سے کس قدر میل کھاتی ہے:

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو کا افق وسیع ہوا ہے مگر اپنی پیدائش کی سرزمین یعنی ہندوستان میں معاندانہ پالیسیوں اور پائے جانے والے تعصب کے سبب ناتلافی نقصان ہوا ہے۔ 1949 کے بعد سے وزرائے تعلیم کی کانفرنسوں کے لگاتار فیصلے، حکومت ہند کے میمورینڈم اور وزرائے اعلیٰ کی کانفرنسوں کے فیصلے واضح طور سے اور بلاکسی شک وشبہ کے لسانی اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں، 1956 سے کمشنر برائے لسانی اقلیات کی تقریباً ہر سالانہ رپورٹ میں اس امر کی توثیق درج ہے۔ ماضی قریب میں، 2007 میں قومی کمیشن برائے مذہبی ولسانی اقلیات نے سابق چیف جسٹس رنگ ناتھ مشرا کے ذریعہ تیار کی گئی ایک رپورٹ میں بلاکم وکاست سفارش کی کہ ''سہ لسانی فارمولہ ملک میں ہر جگہ نافذ کیا جانا چاہیے، جس میں حکومتی اہلکاروں پر یہ لازم ہے کہ اس میں ہر بچہ کی مادری زبان کو شامل کریں جس میں خاص طور سے اردو اور پنجابی شامل ہو۔''[6] یہ

بھولنا نہیں چاہیے کہ دستور ہماری مشترکہ تہذیب کی زریں وراثت[7] کا تحفظ اور اس کی قدر کرنا ہر شہری کی بنیادی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

قانونی اور دستوری بنیاد

اردو کی قانونی بنیاد کو دستور ہند 1950 کے حوالہ سے سمجھا جا سکتا ہے، جو ملک میں کثرت میں وحدت کی تبلیغ کے لیے ایک بنیادی دستاویز ہے۔ دستوری لائحۂ عمل کے مطابق زبان پر فیصلوں کے نفاذ کا اختیار مرکز اور ریاستوں کے درمیان منقسم ہے۔ دستور ہند کے باب 17 میں یونین کی زبان کا ذکر ہے جس میں 11 دفعات شامل ہیں جو سرکاری، ریاستی، عدالتی[8] اور خصوصی ہدایات کے طور پر مادری زبان میں علمی وفکری فروغ کی عکاس ہیں[9]۔ زبان کو فروغ دینے کے دستوری وعدے کے باوجود اسے ریاستوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اس کے فروغ و اشاعت میں مثبت رجحان اپنائیں گے۔ تعلیم بنیادی طور سے وفاقی یعنی ریاستی موضوع تھا[10]، چنانچہ زبان کا فروغ 1976 تک پوری طرح ریاستوں کی فہم وفراست پر منحصر نظر آتا ہے جہاں مرکزی حکومت کو صرف ایک مشاورتی رول حاصل ہے۔ آرٹیکل 343 کے تحت ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں سرکاری (آفیشیل) زبان[11] بنا کر قوم کی لسانی یکسانیت کو مستحکم کیا گیا ہے، اس سے ماسوا آرٹیکل 351 کے تحت ہندی زبان کی ترقی کے لیے ہدایات کے ذریعہ مزید تقویت پہنچائی گئی۔[12] ہندی کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں مندرجہ بالا شقوں سے یہ امر واضح ہے کہ ہندی پوری طرح سے ہندوستان میں ترقی نہیں کر پائی تھی۔ لہٰذا یہ دستوری بحث ومباحثہ کا موضوع ہے کہ اسے یونین کی سرکاری زبان کیوں قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ سرکاری زبان ہوتے ہوئے بھی ہندی کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لیے ''ہندی زبان کی توسیع اور فروغ کے لیے، مشترکہ ثقافت کے سبھی عناصر کے لیے اسے اظہار کے ذریعہ کے طور پر ترقی دینے'' کی خصوصی ہدایات کے ساتھ سہارے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ایسا لگتا ہے کہ دستور بنانے والے دفعات 343 اور 351 کے التزامات کے باوجود بھی اس پر نہ تو مطمئن تھے، نہ یقین رکھتے تھے کہ اس سے ہندی کا تحفظ ہوگا۔ لہٰذا انھوں نے اعلان کیا کہ ''ریاستوں کی مقنّنہ ریاست میں کسی ایک زبان یا زائد زبانوں کو آرٹیکل 345 کے تحت قانون کے ذریعہ ہندی کے ساتھ اپنا سکتی ہے۔''[13] اقلیتوں کے

تعلیمی و ثقافتی حقوق سے متعلق دستوری تحفظات سے تقویت حاصل کر کے اس نے آرٹیکل 350/اے[14] اور آرٹیکل 350/بی[15] جیسی شقوں کا اضافہ کیا۔ اقلیتوں کے تحفظ کے پس پردہ ان دفعات میں بیان کیا گیا کہ ''جداز بان، رسم الخط یا اپنی ثقافت رکھنے والے شہریوں کے کسی بھی طبقہ کو اس کے تحفظ کے حقوق حاصل ہوں گے۔''[16] دوسری طرف اقلیتوں کو اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور نظم ونسق کا حق صرف مذہبی اقلیتوں تک محدود نہیں ہے بلکہ لسانی اقلیتوں کو بھی حاصل ہے۔[17] اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اردو کو خصوصی التزام کے تحت کسی ریاست کی آبادی کے ایک طبقہ کے ذریعہ بولی جانے والی زبان کے سلسلہ میں بھی سرکاری طور پر پوری ریاست میں وسیع کیا جاسکتا ہے۔[18] آرٹیکل 350/اے ہر ریاست اور مقامی انتظامیہ کے لیے اس بات کو لازمی کرتا ہے کہ ''لسانی اقلیتی طبقے سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ابتدائی تعلیم کے مرحلہ میں مادری زبان میں تدریس کی معقول سہولیات فراہم کی جائیں۔'' آرٹیکل 350/بی اس بات کو مزید یقینی بناتی ہے کہ صدر جمہوریہ کے ذریعہ ''ایک خصوصی آفیسر برائے لسانی اقلیات'' کی تقرری کی جائے تاکہ وہ دستور کے تحت لسانی اقلیتوں کو فراہم کیے گئے تحفظاتی اقدامات کو پارلیمان ہند کے سامنے پیش کر سکے اور مزید عمل درآمد کے لیے ریاستی حکومتوں کو بھیجا جاسکے۔ کسی بھی شیڈولڈ زبان میں بشمول اردو، عرضداشت پیش کرنے اور شکایات کے ازالہ کی درخواست دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ تاہم کسی کی زبان کو سرکاری زبان قرار دیے جانے کے مطالبہ کو رد کرنے کے لیے اس شق کو عام طور سے نشان راہ کے طور پیش کیا جاسکتا ہے۔[19] دستور کے لسانی التزامات کو دستوری فقیہوں نے مختلف طریقہ سے بیان کیا ہے۔ گرین وِل آسٹن (Granville Austin) نے منشی - اینگر فارمولہ کو ایک نیم دلی سے تسلیم کیا گیا سمجھوتہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ان مختلف ومتضاد آراء کے درمیان ایک مصلحت آمیز سمجھوتہ تھا جن پر آسانی سے مستقبل کے لسانی فارمولے کے خدوخال کھینچے جاسکتے تھے۔[20] ایچ ایم سیروائی (H.M.Seervai) نے زبان سے متعلق ہمارے دستور کے التزامات کا تجزیہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے قانونی تشریح کے سنجیدہ سوالات نہیں اٹھائے ہیں، ان امور سے چشم پوشی کے سبب سنگین سیاسی مسائل کھڑے ہوئے ہیں۔ لسانیاتی تنازعات کے مختلف دستوری اور فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ سردست اس مقالہ کے دائرۂ خیال سے باہر ہے،

فی الوقت اردو کے آئینی نفاذ پر ہی اکتفا کرنا ہمارے لیے زیادہ موزوں ہے۔[21] ڈی ڈی باسو نے باب 17 سے بحث کرتے ہوئے اپنی ذیلی سرخی میں اسے ''ایک قومی زبان کی ضرورت'' کے تحت لکھا ہے۔ دستور کو تیار کرنے والے ایک زبان کو ہندوستان کی قومی زبان قرار دینے میں ناکام رہے اور دستور میں جو گنجائش باقی رہ گئی وہ اصلاً متضاد دعوؤں کے درمیان ایک ناگزیر سمجھوتہ ہے۔[22] اس کا مفہوم یہ ہوا کہ لسانی اقلیتوں کو حاصل دستوری تحفظات کی معروضی نقطۂ نظر سے تشریح وتوضیح کے وسیع امکانات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ باالفاظ دیگر باب 17 کی چشم کشائی اور فراخ دلی سے چھان پھٹک کی اشد ضرورت ہے۔

اردو زبان کی تنفیذ

یہ ایک منطقی سوال ہے کہ دستور میں پنہاں بنیادی لسانی عزائم کی عملی تشکیل کے لیے کیا کوئی معقول بندوبست اور غیر جانبدارانہ تجسس کا کوئی نظام ہے۔ ہندوستانی دستوری التزامات ہر پیمانہ سے فراخ دل اور اقلیتوں کے تئیں سنجیدہ معلوم پڑتے ہیں۔[23] لیکن ہندوستانی دستور کسی بھی نظام حکومت میں دستور کی طرح خود بخود سے نافذ ہوجانے والا دستاویز (Self Enforcing Document) نہیں ہے۔ دستوری وعدوں پر عمل درآمد کے لیے حکومت کی انتظامی شاخ اور وسیع اسباب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ آئینی رو سے ہندوستان میں ہر ریاست کے لیے لازم ہے کہ وہ سبھی بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے۔[24] جس میں ایک حد تک مادری زبان میں ابتدائی تعلیم بھی شامل ہے۔ ابتدائی تعلیم کو ریاستی لائحہ عمل کے طور پر کلّی اور قطعی بنانے کے مطالبہ کے ساتھ اس کا بنیادی حق[25] دستوری مقنّنہ میں باہمی روابط ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہیں دوسری طرف تعلیمی حقوق کے فرائض کو اور بنیادی ذمہ داریوں کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔[26] مادری زبان میں تعلیم کے لیے انھیں ایک منفرد آئینی جدت کے طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تعلیم کے ثانوی مرحلہ میں مادری زبان میں تعلیم دینے کے لیے ''گزشتہ چار درجات میں کم سے کم 60 طلبا کی تعداد اور ہر درجہ میں 15 طلبا کی تعداد ہونا لازمی ہے، بشرطیکہ پہلے چار برسوں میں ہر درجہ میں 15 کی تعداد کافی ہوگی۔''[27] دوسرے لفظوں میں یہ آزاد نظام پورے ملک میں لسانی اقلیتوں کے بچوں کو ابتدائی اور ثانوی سطح پر تعلیم دینے کا ایک لائحہ عمل ہے۔ مگر کیا دستوری ضمانتوں

اور انتظامی فیصلوں کو حقیقت میں نافذ کیا جا تا رہا ہے؟ لسانی اقلیتوں کو فراہم دستوری ضمانتوں کے نفاذ کا تعین ایک تحقیقی موضوع کا تشنہ عنوان ہے، مختلف ریاستوں میں حکمراں سیاسی پارٹیوں کے رویہ میں بڑے پیمانہ پر فرق ہونے کی وجہ سے ہر ریاست کے افعال و کردار کو علاحدہ سے دیکھنا لازم ہوگا۔ اس مقالے میں اسی نقطۂ نظر سے اتر پردیش میں اردو کے تنفیذی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اتر پردیش میں اردو کی صورت حال

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یوپی آفیشیل لینگویج (ترمیم) (تھرڈ) آرڈیننس 1983 اور اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کے بعد اور اس سے پہلے اتر پردیش میں اردو کی تعلیم اور اردو میں خواندگی کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے۔ ردشدہ ترمیم کی بدولت اتر پردیش میں اردو کو دوسری آفیشیل زبان قرار دیا گیا ہے، جہاں 43.3 فیصد مسلمانوں نے اردو زبان کو مادری زبان قرار دیا ہے، جو ماضی قریب میں قائم کردہ نئی ریاست جھارکھنڈ سے کم ہے۔ نوآبادیاتی دور میں ''تدریس کا ذریعہ اردو اور ہندی دونوں تھے۔ جو بچے اردو کو پہلی زبان کے مضمون کے طور پر لیتے تھے انھیں دوسری زبان کے طور پر ہندی پڑھنی ہوتی تھی، اسی طرح برعکس صورت میں ہوتا تھا۔ اردو اور ہندی اساتذہ کا الگ سے تقرر کا کوئی سوال نہیں تھا، کیونکہ کوئی بھی ٹیچر ملازمت میں اس وقت تک مستقل نہیں ہوتا تھا جب تک کہ وہ اردو اور ہندی دونوں کو یکساں طور پر پڑھانے کی اپنی اہلیت نہیں رکھتا ہو اور اس کی تقرری کے لیے ایک طے شدہ امتحان پاس کر کے تعلیمی استعداد کو ثابت نہیں کر دیتا ہو۔''[28] حکومت اتر پردیش نے 8/اکتوبر 1947 کو ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں سول اور فوجداری عدالتوں کی واحد زبان قرار دیا۔ 1949 میں یوپی بورڈ آف ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن نے فیصلہ کیا کہ صرف ہندی 1951 کے بعد سے ہائی اسکول کے لیے امتحان کا ذریعہ ہوگی اور انٹرمیڈیٹ درجات کے لیے 1953 سے اسے نافذ کر دیا گیا۔[29] یوپی بورڈ آف ہائی اسکول کے غیر منصفانہ قدم پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے شاعر آنند نرائن ملّا نے یہ قطعہ کہا:

یہ حادثہ سالِ چہلِ نو میں ہوا
ہندی کی چھری تھی اور اردو کا گلا

اردو کے ادیبوں میں جو مقتول ہوا
ملّا نامی سنا ہے شاعر بھی تھا

(1949)

یہ آزادی کے بعد اردو کے سانحہ کا خلاصہ ہے، خاص طور سے ان علاقوں میں جہاں پاکستان کو ہونے والی نقل مکانی معتد بہ تھی۔ حکومت اتر پردیش نے اس کے بعد سہ لسانی فارمولہ میں 1963 میں ترمیم کی جس میں مادری زبان کو پہلی زبان کے طور پر ہندی سے بدل دیا گیا (یہ کیا تھا اس سے قطع نظر)، کلاسیکی سنسکرت کو دیگر جدید ہندوستانی زبانوں کے ساتھ دوسری زبان قرار دیا گیا اور انگریزی کو تیسری زبان۔ تیسری زبان کا انتخاب انگریزی تھا، اس طرح اردو کو بظاہر ایک بے ضرر طریقہ سے ختم کر دیا گیا، گرچہ یہ سبھی کو معلوم تھا کہ پس پردہ مقصد کیا تھا۔[30] حالانکہ اس ترمیم کے باوجود بھی اردو ایک جدید ہندوستانی زبان کی شرط پر پوری اترتی تھی، لیکن اردو کی تدریس کے لیے سہولیات جان بوجھ کر نہیں فراہم کی گئیں، اس طرح سے طلبہ کو سنسکرت پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔[31] بظاہر بیس برس بعد جو ترمیمات کی گئیں اس سے اردو کی تعلیم و تدریس مزید کم ہوگئی۔[32] سبھی سیاسی پارٹیوں یعنی دایاں بازو، بایاں بازو اور وسطی بازو کی سطح پر اس پالیسی میں ناروا امتیاز اور تعصب تسلسل یکساں طور پر نظر آتا ہے۔ اتر پردیش کی ریاستی حکومتوں نے جہاں کانگریس پارٹی، بھارتیہ جنتا پارٹی، سماج وادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی کا غلبہ رہا ہے، سبھی نے ایک منضبط طور پر اردو بولنے والوں کو ان کی مادری زبان میں پرائمری اسکول کی تعلیم کے سیدھے سادے، دستوری مطالبہ سے محروم کیا ہے۔[33] یہ افسوسناک صورت حال ہے، ساحر لدھیانوی کا تحیر آمیز لہجے والا یہ شعر اس صورت حال کا صحیح ترجمان ہے:

تربت ہے کہاں اس کی مسکن ہے کہاں اس کا
اب اپنے سخن پرور ذہنوں میں سوال آیا

اردو جاننے والی آبادی کا ان کی اپنی زبان سیکھنے کے حق کو جاری رکھنے کا ایک چھوٹا سا مطالبہ ہے، کیا یہ حق برطانوی راج کے نوآبادیاتی دور میں حاصل نہیں تھا؟ اردو جدوجہد آزادی کے دوران ایک متحد کرنے والی طاقت نہیں رہی ہے۔[34] قاضی عدیل عباسی کے مطابق 'اردو کی

تدریس میں کچھ انتظامی کوتاہیاں یہ خیال کر کے باقی رہیں کہ اردو اوّل کوئی ایک جدا زبان نہیں تھی، یہ کہ ریاست میں اردو بولنے والوں کی تعداد کچھ فیصد تھی، لیکن اس کے بولنے والوں کی اتنی تعداد نہیں جن کے حقوق کا احترام کیا جائے اور آخری بات یہ کہ اردو کو اس لیے فروغ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس سے ہندی کو ریاست کی واحد سرکاری زبان کے طور پر مشتہر کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔[35]

الہ آباد عدالت عالیہ کا فیصلہ

اتر پردیش آفیشیل لینگویج ایکٹ[36] 1951، ہندی کو اتر پردیش میں سرکاری مقاصد کے لیے استعمال کی جانے والی زبان کے طور پر اپنانے کے لیے ہے، جیسا کہ سیکشن 2[37] میں بیان کیا گیا ہے۔ آزادی کے 35 برس بعد، اردو کو جزوی طور سے تسلیم کیے جانے کے ایک خیال کو جو اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) آرڈیننس 1982 سے پیدا ہو رہا تھا، الہ آباد ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا۔[38] آرڈیننس میں ایک نیا سیکشن متعارف ہوا یعنی اردو بولنے والی آبادی کی لسانی امنگوں کو سمونے کے لیے سیکشن 3۔ اس میں کہا گیا کہ اردو زبان کو ہندی کے علاوہ دوسری زبان کے طور پر استعمال کیا جائے گا، ان مقاصد کے لیے جن کا ذکر شیڈیول میں ہے۔ شیڈیول میں منجملہ پانچ موضوعات شامل کیے گئے جو حسب ذیل ہیں:

1 عوام کے ذریعہ اردو میں پیش کی گئی درخواستوں کو لینا۔
2 رجسٹریشن کے لیے اردو میں پیش کیے جانے والے دستاویزوں کو اس کی ہندی کی نقل کے ساتھ وصول کرنا۔
3 خاص حکومتی قوانین، ضابطوں اور نوٹیفکیشن کی اشاعت۔
4 اہم حکومتی اشتہارات کی اشاعت۔
5 اردو میں گزٹ کا ترجمہ۔[39]

اس کی جگہ بعد میں یوپی آفیشیل لینگویج (ترمیم) (تھرڈ) آرڈیننس 1983، اور اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کو لایا گیا۔ ان تینوں آرڈیننسوں کے دستوری جواز کو یوپی ہندی ساہتیہ سملین کے ذریعہ الہ آباد ہائی کورٹ میں 1984، اور 1996 میں چیلنج کیا

گیا۔اس رٹ پٹیشن کوالہ آباد ہائی کورٹ نے علیحدہ فیصلوں کے ذریعہ خارج کر دیا تھا۔الہ آباد ہائی کورٹ نے اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کو برقرار رکھا جس کے ذریعہ اردو کو 7 رخاص مقاصد کے لیے (اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) آرڈیننس 1982 میں ذکر کیے گئے پانچ مقاصد کے بجائے) دوسری سرکاری زبان کی حیثیت عطا کی گئی تھی، اور ایکٹ کو غیر دستوری قرار دیے جانے کی یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کی عرضی کو مسترد کر دیا گیا۔[40]

جسٹس ایس این سہائے اور جسٹس ڈی کے ترویدی پر مشتمل ڈویژن بینچ نے فیصلہ دیا کہ اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 اور رٹ پٹیشن میں ردکردہ نوٹیفکیشن خارج از اختیار ہے اور ختم کر دیے جانے کے لائق ہے۔تعجب کی بات ہے کہ جج موصوف نے یہ کہا کہ ''ریاستی مقنّنہ کو مستقبل میں دستور کے آرٹیکل 345 اور 347 کے التزامات کے مطابق اردو سے متعلق کوئی قانون بنانے سے باز نہیں رکھا جائے گا۔''[41] دوسری طرف جسٹس ڈی کے ترویدی نے جسٹس ایس این سہائے کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور ایک الگ فیصلہ لکھا جس میں انھوں نے کہا کہ ''اتر پردیش آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 اور رٹ پٹیشن میں ردشدہ نوٹیفکیشن دستوری نقص کا شکار نہیں ہے اور رٹ پٹیشن خارج کر دیے جانے کے لائق ہے۔''[42]

ڈویژن بینچ میں اختلاف رائے کے باعث ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے قانون اور دستور کے مندرجہ ذیل تین متعلق سوالات پر ان کی رائے کے لیے اسے تیسرے جج کے حوالہ کیا:

1 کیا ایکٹ کو دستور کے آرٹیکل 345 کے مفہوم کے اندر ایک جائز قانون سازی کہا جا سکتا ہے؟

2 کیا نوٹیفکیشن میں اختیار سے تجاوز کا نقص پایا جاتا ہے؟

3 کیا ایکٹ اور نوٹیفکیشن درست اور دستوری ہے یا خارج از اختیار ہے؟[43]

تیسرے جج، جسٹس برجیش کمار نے ان سوالات کے یہ جواب دیے:

1 ریاست میں استعمال کے لیے ایک دوسری زبان کو سرکاری طور سے تسلیم کرنے کے لیے قانون بناتے وقت، ریاستی مقنّنہ کو دستور کے آرٹیکل 345 اور 347 کے التزامات کو، دونوں کو ایک ساتھ پڑھ کر دھیان میں رکھنا ہوگا۔

2 قانون سازی میں اختیار سے تجاوز کا نقص نہیں ہے۔[44]

3 یو پی آفیشیل لینگویج ایکٹ 1951 میں سیکشن 3، رٹ پٹیشن نمبر 285/84 میں ڈویژن بنچ کے فیصلہ کی روشنی میں بہر حال ایک جائز قانون سازی ہے۔

مذکورہ بالا جوابات کی روشنی کی بنیاد پر جسٹس برجیش کمار نے پایا کہ ایکٹ اور نوٹیفکیشن درست اور دستوری جواز کی حامل ہیں۔ تیسرے جج کے ذریعہ دیے گئے جوابات کی روشنی میں رٹ پٹیشن پر مناسب فیصلے کے لیے معاملہ کو ڈویژن بنچ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ڈویژن بنچ نے اپنے حکم مورخہ 16.08.1996 کے ذریعہ رٹ پٹیشن کو درج ذیل فیصلہ سناتے ہوئے کلی طور سے خارج کر دیا:

تیسرے جج موصوف جناب برجیش کمار جی کی رائے میں یو پی آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 (یو پی ایکٹ نمبر 28/1989)، یو پی آفیشیل لینگویج ایکٹ 1951 میں سیکشن 3 کے اضافہ کو اختیارات کے اندر پایا گیا ہے۔ یہ بھی پایا گیا کہ ردشدہ ایکٹ میں اختیار سے تجاوز کا نقص نہیں ہے۔ ایکٹ اور نوٹیفکیشن جائز اور دستوری ہے۔[45]

رٹ پٹیشن 16.08.1996 کو خارج کر دی گئی اور اس فیصلے سے ناخوش یو پی ہندی ساہتیہ سمیلن نے سپریم کورٹ میں 27.01.1997 کو اسپیشل لیو پٹیشن داخل کی، یہ دلیل دیتے ہوئے کہ ایک بار جب ایک ریاست نے دستور کے آرٹیکل 345 کے تحت ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر منتخب کر لیا تو وہ دوسرے متبادلوں کا استعمال نہیں کر سکتی۔

عدالت عظمیٰ کا فیصلہ

یو پی ہندی ساہتیہ سمیلن بنام ریاست اتر پردیش،[46] معاملے میں بتاریخ 4.9.2014 کو عدالت عظمیٰ یعنی سپریم کورٹ کے سامنے بنیادی سوال دستور ہند، 1950 کے آرٹیکل 345، اور 347 کے اطلاق و نفاذ کے دائرہ سے متعلق تھا، جس میں سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا اتر پردیش قانون ساز اسمبلی کو کیا اس کا دستوری جواز حاصل ہے کہ وہ آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کے ذریعہ اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دے، یہ امر واضح رہے کہ اتر پردیش قانون ساز اسمبلی نے 1951 میں دستور ہند کے آرٹیکل 345 کے تحت ہندی کو سرکاری زبان پہلے

ہی قرار دے چکی ہے۔لیکن آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کے قانون اور فقہی دائرہ کا تعین کا سوال برقرار تھا، چنانچہ سپریم کورٹ نے اسپیشل لیو پٹیشن (Spcial Leave Petition) کی رو سے معاملے کو آئینی بنچ کے حوالہ کیا۔ چیف جسٹس آر ایم لودھا، جسٹس دیپک مشرا، جسٹس مدن بی لوکر، جسٹس کورین جوزف اور جسٹس ایس اے بوبڈے پر مشتمل بنچ نے اردو کو اتر پردیش میں دوسری سرکاری زبان بنائے جانے کی تصدیق پر اپنی مہر ثبت کردی۔ سپریم کورٹ نے یوپی ہندی ساہتیہ سمیلن کے نظریہ خیال سے اتفاق نہیں کیا کہ: ''ایک بار جب ایک ریاست نے دستور کے آرٹیکل 345 کے تحت ہندی کو سرکاری زبان کے طور پر منتخب کرلیا تو وہ دوسرے متبادل زبانوں کو سرکاری زبان کے طور پر استعمال نہیں کرسکتی۔''

سپریم کورٹ نے واضح طور سے کہا کہ ''ہم اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتے''۔اس طرح ایک 25 سال پرانا آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 جس نے اردو کو اتر پردیش میں دوسری سرکاری زبان کے طور پر رائج کرنے کو دستوری عمل قرار دیا، ریاست اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کے طور پر مروج کرنے کے لیے زیادہ جمہوری طریقۂ کار اپنانے کو سپریم کورٹ کی رو سے درست ٹھہرایا گیا۔[47] سپریم کورٹ نے اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیے جانے کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ یہ بھی واضح کیا کہ:

> ''صرف اس وجہ سے کہ ہندی کا واضح طور سے یا الگ سے ذکر کیا گیا ہے اور ریاست کے ذریعہ اسے سرکاری زبان بنایا گیا ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ دستور نے ریاستی مقنّنہ کے لیے اس متبادل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کردیا ہے کہ وہ ریاست میں استعمال ہونے والی کسی دوسری زبان کو سرکاری زبان کے طور پر اپنائے۔[48]''

عدالت عظمیٰ کی رائے میں:

> ''آرٹیکل 345 میں کوئی بھی بات، ہماری رائے میں، ریاست میں استعمال ہونے والی ایک یا ایک سے زائد زبانوں کو ہندی کے ماسوا، دوسری سرکاری زبان قرار دیے جانے سے نہیں باز رکھتی ہے۔ یہ آرٹیکل

345 میں شامل التزامات کو نقصان پہنچانے کی قیمت پر ہی ہوسکتا ہے۔[49]''

آرٹیکل 345 کی توضیح کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ:

''ہندی' سے قبل آنے والے لفظ 'یا' (or) سے ہندی کے لیے 'استعمال میں ہونے' (in use) کی شرط سے نجات پانا مقصود ہے، جب کہ کسی دیگر زبان کو ریاستی مقنّنہ کے ذریعہ آرٹیکل 345 کے تحت سرکاری زبان قرار دینے کا اختیار آزمانے کے لیے 'استعمال میں ہونے' کی شرط پوری ہونی چاہیے۔[50]''

سپریم کورٹ نے آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کے سیکشن 3 کو باقی رکھا اور اردو کے لیے دوسری سرکاری زبان کی حیثیت باقی رکھی، یہ کہتے ہوئے کہ اس میں کوئی دستوری نقص نہیں ہے، کیونکہ ریاست ہندی کے ماسوا، کوئی ایک یا زائد سرکاری زبانیں جو استعمال میں ہوں اپنا سکتی ہے۔ سپریم کورٹ کی رائے میں:

''ہم سمجھتے ہیں، کیونکہ ہمیں سمجھنا چاہیے، کہ نہ تو آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 میں سیکشن 3 کا اضافہ، اور نہ ہی درج بالا التزام کے مطابق نوٹیفکیشن جس کے تحت اردو کو 7 مقاصد کے لیے دوسری سرکاری زبان کے طور پر نوٹیفائی کیا گیا ہے، غیر دستوری ہے۔[51]''

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں مزید کہا کہ:

''صدر کے ذریعہ دستور کے آرٹیکل 347 کے تحت کسی ہدایت کی غیر موجودگی میں، ریاستی مقنّنہ کے لیے ریاست میں استعمال ہونے والی کسی زبان کو دستور ہند کے آرٹیکل 345 کے تحت سرکاری زبان قرار دینے میں کوئی پابندی، رکاوٹ یا رخنہ نہیں ہے۔[52]''

عدالت کا یہ مشاہدہ دیگر شیڈولڈ زبانوں کے لیے آرٹیکل 345 کے تحت معقول موقع پیدا کرنے میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ عدالت کا مشاہدہ درج ذیل ہے:

''آرٹیکل 345 کی سادہ زبان جو ریاستی مقنّنہ کو ریاست میں استعمال ہونے والی ایک یا زائد زبانوں کو اپنانے کا قانون بنانے کا اختیار دیتی ہے، اس سے کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ اس اختیار کو ریاستی مقنّنہ کے ذریعہ وقتاً فوقتاً استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آرٹیکل 345 کی سادہ زبان سے کوئی مختلف منشا ظاہر نہیں ہوتی۔ 53''

سپریم کورٹ نے یہ بھی ہدایت جاری کی کہ ''ریاستی مقنّنہ کو آزادی حاصل ہے کہ وہ آرٹیکل 345 کے تحت اپنے اختیار کا طے شدہ مقصد کے لیے وقتاً فوقتاً استعمال کرے۔

اردو کی دستوری حیثیت

سپریم کورٹ کی دستوری بینچ نے آئینی اور قانونی نظریے سے اس سوال پر توجہ مرکوز کی کہ اگر ہندی کو پہلے ہی سرکاری زبان کے طور پر مروج کیا جاچکا ہے تو کیا ریاستی مقنّنہ کے لیے ریاست میں استعمال ہونے والی کسی دیگر زبان کو اپنانے کی روک ہے۔ آرٹیکل 345 کہتا ہے ''ریاست کی مقنّنہ ریاست میں استعمال ہونے والی ایک یا زائد زبانوں کو قانون کے ذریعہ، یا ہندی کو، ریاست میں کسی بھی سرکاری مقصد یا سبھی مقاصد کے لیے بطور زبان یا زبانوں کے اپناسکتی ہے''۔ چیف جسٹس آر ایم لودھا، جنھوں نے متفقہ فیصلہ کو لکھا، واضح کیا کہ آرٹیکل میں 'ہندی' کا الگ سے ذکر کیے جانے کا مقصد صرف ہندی کو ریاستوں میں فروغ دینا تھا اور ہندی کا کلّی اختیار نہیں کہ جس کے ساتھ دیگر زبانوں کی فطری نشوونما کا گلا گھونٹ جائے۔ جج موصوف کے ذریعہ یہ واضح طور سے کہا گیا کہ:

''اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ ریاستی مقنّنہ، ریاست کے اندر دیگر زبانوں کو فروغ دینے کے اپنے اختیار کو قربان کردے۔ آرٹیکل 345 میں ہندی کو الگ سے استعمال کرنے کا مقصد ہے ریاستوں میں ہندی کو اپنائے جانے کی راہ ہموار کرنا، چاہے اس خاص ریاست میں ہندی استعمال میں ہو یا نہ ہو۔ 54''

سپریم کورٹ نے یہ بھی آگاہ کیا کہ ''آرٹیکل 345 کی کوئی دیگر تشریح، دستور کے ذریعہ

اپنائے گئے لسانی سمجھوتہ کے ساتھ بلاوجہ کی مداخلت ہوگی۔'' 55

عدالت کا یہ مشاہدہ اہمیت کا حامل ہے کہ وہ ریاستیں جہاں ہندی پہلے ہی ایک سرکاری زبان ہے، اس کا فیصلہ ہے کہ یہ دیگر زبانوں کو سرکاری زبان کے طور پر اعلانیہ (نوٹیفکیشن) کیے جانے سے روک نہیں دیتا ہے۔ سپریم کورٹ نے واضح لفظوں میں فیصلہ سنایا کہ:

''اگر ہندی کسی ریاست میں سرکاری زبان کے طور پر مروج ہے، تو اس سے اس ریاست کا ہندی کے سوا کسی زبان کو سرکاری زبان کے بطور اپنانے کا اختیار یا اس کی طاقت سلب نہیں ہو جاتی، بشرطیکہ وہ زبان اس ریاست میں 'استعمال میں' ہو'۔ اس طرح سپریم کورٹ نے بالکل واضح کر دیا کہ 'آرٹیکل 345 میں کوئی بھی بات، ریاست میں استعمال ہونے والی ایک یا زائد زبانوں کو ہندی کے ماسوا دوسری سرکاری زبان کے طور پر نافذ کیے جانے سے نہیں روکتی''۔

سپریم کورٹ نے مزید تشریح کا کوئی موقع نہ چھوڑتے ہوئے، اتمام حجت کے طور پر یہ صادر فرمایا کہ دستور کے آرٹیکل 345 کے عملی مضمرات تک پہنچنے کے لیے، دستور کے آرٹیکل 367 اور جنرل کلازیز ایکٹ 1897 کے سیکشن 146 کا یہ ایک بہ ایں ہمہ مذکورہ ضابطوں کی تشریح پر غور کیا۔ دستور کا آرٹیکل 367 ایک تشریحی ضابطہ ہے۔ 56 آرٹیکل 367 کا شق (1) اس طرح ہے:

''جب تک سیاق وسباق کچھ اور نہ مطالبہ کرے، جنرل کلازیز ایکٹ 1897، اس دستور کی تشریح کے لیے لاگو ہوگا، آئین کی لسانی ترمیم و تنسیخ آرٹیکل 372 کے ماتحت کی جائے، چونکہ یہی توضیح وتشریح ہندوستانی مقنّنہ پر دستور ہند 1950 کی تالیف سے قبل اور اس کے بعد بھی نافذ العمل ہے۔ 57''

دستور میں مذکورہ بالا ضابطہ کے سبب، جنرل کلازیز ایکٹ 1897 کے سیکشن 146 کا ضابطہ لسانی و دستوری تشریح پر عائد ہوتا ہے اور اس سے کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ ریاستی مقنّنہ آرٹیکل 345 کے تحت وقتاً فوقتاً اپنے اختیار کا استعمال کر سکتی ہے۔ عملی طور سے عدالت نے سمّیلن کی اس دلیل کو کالعدم کر دیا کہ اگر کوئی ریاست ہندی کو اپنی سرکاری زبان منتخب کرتی ہے، تو یہ دیگر زبانوں

کو سرکاری زبان کے طور پر منظوری اور نافذ العمل قرار دیے جانے سے روک نہیں دیتا ہے۔ آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کے سیکشن 3 کے جواز کو درست ٹھہراتے ہوئے دستوری بنچ نے کہا:

''ہندی کی دستوری حیثیت کو آرٹیکل 345 میں باقاعدہ طور پر علیحدہ لکھے گئے جملے ''ریاست میں استعمال ہونے والی ایک یا زائد زبانوں کو اپنانا'' مذکور کیا گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہندی کی بابت آرٹیکل 345 کا براہ راست دارومدار آرٹیکل 351 میں درج ہندی کی نشر واشاعت سے جس کی غرض ہندی کو پھیلانا اور فروغ دینا ہے، گرچہ یہ ریاست میں بولی یا استعمال نہ کی جاتی ہو''۔

اس طرح اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کی آئینی اور قانونی حیثیت کا تعین واضح ہوجاتا ہے کہ آرٹیکل 345 ریاستی مقنّنہ کو اس بات کا اختیار دیتی ہے کہ ریاست میں استعمال میں کسی ایک یا ریاست کی سبھی مروجہ زبانوں کو سرکاری مقاصد کے لیے منظور و درج مختلف زبان یا زبانوں کو اپنا سکتی ہے۔ چنانچہ معاملہ اب اس طرح ہے کہ:

''صدر کے ذریعہ دستور کے آرٹیکل 347 کے تحت کسی ہدایت کی غیر موجودگی میں، ریاستی مقنّنہ کے لیے ریاست میں استعمال ہونے والی کسی زبان کو دستور ہند کے آرٹیکل 345 کے تحت سرکاری زبان قرار دینے میں کوئی پابندی، رکاوٹ یا رخنہ نہیں ہے۔ آرٹیکل 345 ریاستی مقنّنہ کے اختیار سے تعلق رکھتا ہے جب کہ آرٹیکل 347 صدر کے اختیار سے متعلق ہے۔ یہ دونوں ضابطے کسی زبان کو سرکاری زبان تسلیم کرنے کے لیے ہدایات جاری کرنے یا قانون بنانے کے لیے مختلف طریقہ کار وضع کرتے ہیں۔ 58''

یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں ریاستی حکومت سے مطالبہ اٹھنا چاہیے، یا اگر مطالبہ ہے تو ریاستی مقنّنہ کسی زبان کو جو ریاست میں استعمال میں ہے دوسری سرکاری زبان قرار دینے کا

قانون نہیں بنا سکتی۔ یہ آرٹیکل 345، اور 347 کے درمیان فرق کرنے والی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

اختتامی نتائج اور نکتہ رسی

آفیشیل لینگویج (ترمیم) ایکٹ 1989 کے سیکشن 3 کے دستوری جواز پر یوپی ہندی ساہتیہ سمّیلن کے سوال کو، جس کے ذیعہ اردو کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کیا گیا تھا، خارج کر دیا گیا، کیونکہ کسی ریاست میں ہندی کے بطور سرکاری زبان استعمال سے، ریاست کی یہ طاقت و اختیار ختم نہیں ہو جاتا کہ وہ ہندی کے ماسوا کسی دیگر زبان کو سرکاری زبان بنائے، بشرطیکہ وہ زبان ریاست میں استعمال میں ہو۔[59] ریاستی مقنّنہ اس بات کے لیے آزاد ہے کہ وہ ریاست میں استعمال ہونے والی کسی بھی زبان کو سرکاری زبان منتخب کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی ریاست میں وسیع پیمانہ پر استعمال ہونے والی زبان کو سرکاری مراسلت، حکومتی احکامات واشتہارات میں بھی جگہ ملے گی۔ ایک سے زائد زبان کو اپنی سرکاری زبان قرار دینے کے ریاست کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے، سپریم کورٹ کا مشاہدہ بالکل موزوں ہے:

> ''یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قانون اور زبان دونوں اپنی ترقی کے طریقہ میں نامیاتی ہیں۔ ہندوستان میں، مختلف زبانوں کے بولنے والوں کی جائز امنگوں کو قبول کرنے کے عمل کے توسط سے یہ فقہی نقطہ ارتقا پذیر ہیں۔ ہندوستان میں زبان کے قوانین جامد نہیں بلکہ محرک ہیں تا کہ وہ لسانی سیکولرازم کے تحفظ میں کارگر ہو سکیں۔[60]''

مذکورہ بالا عدالت عظمیٰ کا مشاہدہ دوررس نتائج کا حامل ہے۔ مزید جدت پسندی کے رجحانات سے سرشار ہے۔ آرٹیکل 345 کے تحت ہندی کی قومی زبان بالادستی پر زور ضرب کاری کرنا ہے۔ یہ فیصلہ لسانی سیکولرازم کی روح کو برقرار رکھتا ہے جو ہندوستانی دستور 1950 کے باب 17 کے تحت مندرج ہے۔ ریاستیں عموماً زائد زبانوں کو بطور سرکاری زبان متعارف کرنے کی ضرورت کو نظر انداز کرتی رہی ہیں اور عدالت کے لیے قانونی اور دستوری شش و پنج سے دوسری زبانوں کو مروج کرنے کے لیے مداخلت کرنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں کچھ ریاستیں لسانی

سیکولرازم کے رویے کو مثبت قوت فراہم کرتی ہیں اور انھوں نے اپنی دستوری ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کیا ہے۔ جھارکھنڈ جیسی ایک قدرے نئی ریاست میں سب سے زیادہ یعنی 8 زبانیں سرکاری زبانیں ہیں، جب کہ گجرات میں اردو اور ہندی دونوں سرکاری زبانیں ہیں۔ کوئی بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ شمالی ہند زیادہ تر ہندی بولنے والا خطہ ہے، لیکن اتر پردیش اور بہار کی ریاستوں میں اردو بولنے والوں کی ایک بڑی آبادی موجود ہے۔ ریاست کو سرکاری زبان کے نشوونما کے لیے مالی فراہمی بھی یکساں اور یک نظری رویے کے ساتھ روا رکھنا چاہیے۔ لہٰذا کوئی ریاست آرٹیکل 345 کے محدود پیمانہ سے ہندی کو سرکاری زبان قرار دینے پر اکتفا کلی طور پر نہیں کرسکتی ہے۔

موجودہ دور میں بڑھتی ہوئی بین الریاست نقل وحمل کے پیش نظر یہ صوبے و شہر یک لسانی نہیں رہ گئے ہیں۔ ممبئی جیسے شہر میں آج تین سو سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ عوام الناس کی لسانی آزادی کے استحقاق حق کی رو سے یہ فیصلے منطقی طور سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کسی ریاستی مقنّنہ کے لیے اپنے شہریوں کے لسانی دعوے کے حق میں ریاست میں استعمال ہونے والی زبان کو سرکاری زبان ڈکلیئر کرنے پر کوئی روک نہیں ہے۔ یہ فیصلہ اردو بولنے والی آبادی، سماجی تنظیموں اور دانشوروں میں نئی توانائی پیدا کرتا ہے اور ان کی لسانی امنگوں کو تقویت پہنچاتا ہے۔ بطور مجموعی الہ آباد ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلے اردو زبان کو نہ صرف سرکاری سطح پر، بلکہ عملی طور پر بھی اتر پردیش میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً اردو زبان وادب کو تقویت پہنچانے والی نظائر ہیں۔

حواشی

1 بھاشا ریسرچ اینڈ پبلیکیشن سنٹر، ڈیوی، 'Linguist Who gave Voice To Tribal Languages, Calls It Quits'،
http://indianexpress.com/article/cities/ahmadabad/bhasha-research-publication-centre-devy-linguist-who-gave-voice-to-tribal-languages-calls-it-quits/

2 سُجیت چودھری، مادھوکھوسلہ و پرتاپ بھانو مہتہ، آکسفورڈ ہینڈ بک آف انڈین کانسٹی ٹیوشن، جلد iii: چیپٹر 11: لینگویج (2016)

3 تھامس بینیڈکٹر، لینگویج پالیسی آف لنگوسٹک مائنارٹیز اِن انڈیا: این اپرائزل، ایل آئی ٹی ورلاگ: مُنسٹر، (2009) 32-35

4 آرٹیکل 29، دستور ہند، 1950: اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ: (1) ہندوستانی علاقے یا اس کے کسی بھی حصہ میں رہنے والا شہریوں کا کوئی بھی طبقہ جس کی اپنی جدا زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو، اسے ان کے تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔ (2) کسی بھی شہری کو ریاست کے ذریعہ چلائے جانے والے یا ریاست کے فنڈ سے امداد حاصل کرنے والے ادارے میں مذہب، نسل، ذات یا زبان کی بنیاد پر داخلہ سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

5 آرٹیکل 30، 1950: تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا اقلیتوں کا حق: (1) سبھی مذہبی و لسانی اقلیتوں کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا حق حاصل ہوگا۔

6 مذہبی و لسانی اقلیات پر قومی کمیشن کی رپورٹ، (نئی دہلی: وزارت اقلیتی امور، 2007)، http://www.imc-usa.org/ files/NCRLM_Ranganath_Misra_Report.pdf پر دستیاب ہے۔

7 دستور ہند 1950 کے آرٹیکل 51، اے (ایف) میں بنیادی ذمہ داریوں کا ذکر ہے: ہندوستان کے ہر شہری کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ ہماری مشترکہ ثقافت کی مالا مال وراثت کا تحفظ اور اس کی قدر کرے۔

8 آرٹیکل 348/اور 349، دستور ہند 1950: آرٹیکل 348 کا تعلق سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں میں استعمال ہونے والی زبان اور ایکٹ، بلوں وغیرہ سے ہے اور آرٹیکل 349 زبان کے سلسلہ میں کچھ خاص قوانین کے بنانے کے لیے خصوصی ضابطہ سے تعلق رکھتا ہے۔

9 چیپٹر 17: آرٹیکل 351-343، دستور ہند، 1950

10 دستور میں 42ویں ترمیم 1976 نے ہندوستانی دستور میں تبدیلیاں کیں۔ 1976/ سے پہلے تعلیم مجموعی طور

سے ریاست کا موضوع تھا اور مرکزی حکومت صرف مشاورتی رول ادا کرتی تھی۔ کچھ عرصہ تک تعلیم کے دستوری التزامات کے سلسلہ میں کافی تنازعہ رہا۔ تعلیمی انتظام وانصرام سے جڑے افراد نے محسوس کیا کہ تعلیم مرکز و ریاستی حکومتوں کی مشترکہ ذمہ داری ہونی چاہیے۔ 1976 میں ایک دستوری ترمیم سے اس تنازعہ کا خاتمہ ہوگیا۔

11 آرٹیکل 343، دستور ہند 1950: مرکز کی سرکاری زبان (1): مرکز کی سرکاری زبان دیوناگری رسم الخط میں ہندی ہوگی۔ مرکز کے سرکاری مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے والے اعداد ہندوستانی اعداد کی بین الاقوامی شکل ہوں گے۔ (2) کلاز (1) میں موجود کسی شے کے باوجود، اس دستور کے آغاز ہونے سے پندرہ سال کے وقفہ کے لیے، انگریزی زبان مرکز کے سرکاری مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی رہے گی، جس کے لیے یہ اس ابتدا سے فوراً پہلے استعمال کی جاتی رہی تھی: اس شرط کے ساتھ کہ صدر، مذکورہ مدت میں اپنے حکم کے ذریعہ انگریزی زبان کے ساتھ ہندی زبان کے استعمال اور ہندوستانی اعداد کی بین الاقوامی شکل کے ساتھ اعداد کی دیوناگری شکل کے استعمال کی اجازت مرکز کے کسی بھی سرکاری مقصد کے لیے دے سکتے ہیں۔ (3) اس آرٹیکل میں مذکور باتوں کے سوا، پارلیمنٹ پندرہ سال کی مذکورہ مدت کے بعد (اے) انگریزی زبان، یا (ب) اعداد کی دیوناگری شکل، کے استعمال کا قانون مخصوص مقاصد کے لیے بنا سکتی ہے۔

12 آرٹیکل 343، دستور ہند، 1950: ہندی زبان کی ترقی کے لیے ہدایت- ہندی زبان کی توسیع کو فروغ دینا اور ترقی دینا مرکز کی ذمہ داری ہوگی، تاکہ یہ ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کے سبھی عناصر کے لیے وسیلۂ اظہار کا کام کرے، اور ہندوستانی میں اور شیڈول 8 میں شامل ہندوستان کی دیگر زبانوں میں استعمال کی جانے والی شکلوں، انداز اور اظہار کے طریقوں کو ضم کرکے، اس کی اصل روح میں مداخلت کیے بغیر، اس کو مالا مال بنانا ہوگا، اور جہاں ضروری اور بہتر محسوس ہو اس کے ذخیرۂ الفاظ کے لیے بنیادی طور سے سنسکرت کا اور دوئم درجہ میں دیگر زبانوں کا سہارا لیا جائے۔

13 آرٹیکل 345، دستور ہند، 1950: سرکاری زبان یا ریاست کی زبانیں- آرٹیکل 346/ اور 347 کے التزامات کو دھیان میں رکھتے ہوئے، ریاست کی مقنّنہ، ریاست میں استعمال ہونے والی کوئی ایک یا زائد زبانوں کو یا ہندی کو، اس ریاست کے سبھی سرکاری مقاصد یا کسی ایک میں بطور زبان استعمال کے لیے، قانون کے ذریعہ اپنا سکتی ہے: بشرطیکہ، جب تک ریاست کی مقنّنہ، قانون کے ذریعہ کوئی اور گنجائش پیدا کرتی ہے، انگریزی زبان ریاست کے اندر ان سرکاری مقاصد کے لیے استعمال کی جاتی رہے گی، جن

کے لیے وہ اس دستور کی ابتدا سے فوراً پہلے استعمال کی جارہی تھی۔

14 دستور ہند 1950 کا آرٹیکل 350/اے ابتدائی مرحلہ میں مادری زبان میں تدریس کے لیے سہولیات کی بات کرتا ہے: یہ ہر ریاست اور ریاست کے اندر ہر لوکل اتھارٹی کی کوشش ہوگی کہ وہ لسانی اقلیتی گروپوں سے تعلق رکھنے والے بچوں کو ابتدائی تعلیم کے مرحلہ میں مادری زبان میں تدریس کی معقول سہولیات فراہم کرے گی اور صدر، ریاست کو ان سہولیات کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے ایسی ہدایات جاری کر سکتے ہیں جو وہ ضروری اور مناسب سمجھیں۔

15 دستور ہند 1950 کا آرٹیکل 350 بی لسانی اقلیتوں کے لیے خصوصی آفیسر فراہم کرنے کی بات کرتا ہے: (1) لسانی اقلیتوں کے لیے ایک خصوصی آفیسر ہوگا جو صدر کے ذریعہ مقرر کیا جائے گا۔ (2) خصوصی آفیسر کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس دستور کے تحت لسانی اقلیتوں کو فراہم کیے گئے تحفظات سے متعلق سبھی معاملات کی تحقیقات کرے اور ان معاملات کو وقفہ وقفہ سے جو صدر کی ہدایت ہو، رپورٹ کرے اور صدر ان سبھی رپورٹوں کو پارلیمنٹ کے ہر سیشن میں پیش کرائیں گے اور متعلقہ ریاستوں کی حکومتوں کو بھجوائیں گے۔

16 علاوہ ازیں آرٹیکل 29/اور 30، دستور ہند 1950، ثقافتی اور تعلیمی حقوق کو بیان کرتے ہیں: (1 اے) کسی اقلیت کے ذریعہ قائم کیے جانے والے اور چلائے جانے والے تعلیمی ادارے کی کوئی جائداد لازمی طور سے تحویل میں لینے کے لیے کوئی قانون بنانے میں، جس کا حوالہ کلاز (1) میں دیا گیا ہے، ریاست یقینی بنائے گی کہ اس جائداد کو تحویل میں لینے کے لیے ایسے قانون کے تحت جو رقم طے کی جائے وہ ایسی ہو جو اس کلاز کے تحت دیے گئے حق کو محدود یا منسوخ نہ کرے۔ (2) ریاست تعلیمی اداروں کو امداد گرانٹ کرنے میں کسی تعلیمی ادارے کے خلاف اس بنیاد پر تعصب نہیں برتے گی کہ وہ اقلیتی مینجمنٹ کے تحت ہے، چاہے وہ اقلیت مذہبی ہو یا لسانی۔

17 ریاستی انتظامیہ کے امور کی ترسیل کے مقصد سے 'آفیشیل' زبان کی حیثیت کے سوال کے لیے دیکھیں، عمر خالدی، ''پالیٹکس آف آفیشیل لینگویج اسٹیٹس فار اردو اِن انڈیا''، جرنل آف ساؤتھ ایشین اینڈ مڈل ایسٹرن اسٹڈیز 28، 3 (اسپرنگ 2004): 53-77

18 آرٹیکل 347، دستور ہند 1950: ریاست کی آبادی کے ایک طبقہ کے ذریعہ بولی جانے والی زبان سے متعلق خصوصی التزام۔ اس بارے میں مطالبہ پر صدر، اگر وہ مطمئن ہوں کہ ریاست کی ایک معتدبہ آبادی اپنے ذریعہ بولی جانے والی زبان کو اس ریاست کے ذریعہ تسلیم کیے جانے کی خواہش رکھتی ہے، ہدایت

دے سکتے ہیں کہ اس زبان کو بھی پوری ریاست میں یا اس کے کسی حصہ میں ان تمام مقاصد کے لیے جو وہ مخصوص کریں سرکاری طور سے تسلیم کیا جائے گا۔

19 آرٹیکل 350، دستور ہند 1950، چیپٹر 4 میں شکایات کے ازالہ کے لیے عرضداشتوں میں استعمال کی جانے والی زبان کے سلسلہ میں خصوصی ہدایات ہیں: ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی بھی شکایت کے ازالہ کے لیے مرکز یا کسی ریاست کے افسر یا اتھارٹی کو مرکز یا ریاست میں استعمال کی جانے والی کسی بھی زبان میں عرضداشت پیش کرے۔

20 دیکھیں: گرانول آسٹن، انڈین کانسٹی ٹیوشن: کارنر اسٹون آف اے نیشن، آکسفورڈ؛ نئی دہلی 1999۔

21 دیکھیں: ایچ ایم سیروائی، کانسٹی ٹیوشنل لاء آف انڈیا: اے کریٹیکل کامینٹری، (چوتھا ایڈیشن) 2015-

22 یہ بھی دیکھیں: ڈی ڈی باسو، کانسٹی ٹیوشن آف انڈیا، جلد 9 (2011)

23 نعمانی، محمد ظفر محفوظ، 'کانسٹی ٹیوشنل انٹرپریٹیشن آف مائنارٹی رائٹس: اے ٹیل آف ٹو ورڈکٹس آف سپریم کورٹ' 24(1) ریلیجن اینڈ لاء ریویو 24-21 (2015)

24 ریاست سبھی بچوں کے لیے عہد طفلی میں دیکھ بھال اور تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کرے گی، جب تک کہ وہ چھ برس کی عمر پوری کر لیں۔

25 21/اے۔ ریاست چھ سے 14/برس تک کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی، اس طریقہ سے جیسا کہ ریاست قانون کے ذریعہ طے کرے۔

26 آئین کی دفعہ 51.الف (ک) میں یہ التزام ہے کہ اگر ماں باپ یا ولی ہے، تو وہ چھ سال سے چودہ سال تک کی عمر کے اپنے بچے یا وارڈ، جیسی بھی صورت ہو، کے لیے تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔

27 کمشنر آف لنگوسٹک مائنارٹیز ان انڈیا، سترہویں سالانہ رپورٹ، برائے سال 1975-1974 (الہ آباد: سی ایل ایم، 1976) صفحہ 5۔

28 قاضی محمد عدیل عباسی، آسپیکٹس آف پالیٹکس اینڈ سوسائٹی: میموائرس آف اے ویٹرن کانگریس مین، (نئی دہلی): مارواہ، 1981) صفحہ 145۔

29 اتر پردیش لسانی کمیٹی کی رپورٹ، اگست 1962، اچاریہ کرپلانی نے سربراہی کی، (لکھنؤ: حکومت اتر پردیش، 1963) صفحہ 38۔

30 عمر خالدی، ''ہندوائزنگ انڈیا: سیکولرزم اِن پریکٹس''، تھرڈ ورلڈ کوارٹرلی، 1562-1545 :(2008)29,8

31 ہاؤ اردو از کلڈ اِن اتر پردیش تھرو بریکیٹنگ اِٹ وِد سنسکرت''، مسلم انڈیا (اگست 1983)، صفحہ 357، جس

میں حکومت اتر پردیش کے آرڈر مورخہ 16/مارچ 1963 کو شامل کیا گیا ہے۔

32 خلیل الرّب، ''لاسٹ نیل اِن دی کافِن آف اردو اِن یوپی: نیو اسکول سیلیبس مینیشیز اردو ایوین ایز اے تھرڈ لینگویج''، مسلم انڈیا (اکتوبر 1984) صفحہ 362۔

33 نعمانی محمد ظفر محفوظ، 'امپاورمنٹ آف مائنارٹیز تھروا یکویلائزیشن آف اپرچیونٹیز: سَم ٹینٹیٹیو سجیشنس، مرزا اسمر بیگ اینڈ اے آر قدوائی، امپاورمنٹ آف انڈین مسلم: پرسپیکٹیو، پلاننگ اینڈ روڈ اہیڈ، کانسیپٹ پبلشنگ ہاؤس پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی: 2012، صفحہ 93-79۔

34 نعمانی محمد ظفر محفوظ، کانسیپچوالائزیشن اینڈ کانٹیکچوالائزیشن آف سوشل انکلیوزن اینڈ ایکسکلیوزن انڈر ایکویل اپرچیونٹی کمیشن رپورٹ: ریفلیکشنس اینڈ اپرائیزل'، II(1) جرنل آف ایکسکلیوزن اسٹڈیز، 9-1, 2012۔

35 24 پال براس، لینگویج، ریلیجن، اینڈ پالیٹکس اِن نارتھ انڈیا، (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، 1974) صفحات 207-204۔

36 اتر پردیش آفیشیل لینگویج ایکٹ، 1951، (1951 کا یوپی ایکٹ نمبر 26) مورخہ 12.11.1951؛ گزٹ ایکسٹرا آرڈنری میں شائع ہوا اور نافذ ہوا۔ اسے 05.11.1951 کو گورنر کی منظوری ملی۔ یہ ایکٹ یوپی قانون ساز اسمبلی کے ذریعہ ہندی میں 29.09.1951 کو اور یوپی قانون ساز کونسل کے ذریعہ 29.09.1951 کو پاس کیا گیا۔

37 اتر پردیش آفیشیل لینگویج ایکٹ 1951/ کا سیکشن 2 اس طرح ہے: ہندی ریاست کی سرکاری زبان ہوگی۔ دستور کے آرٹیکل 346، اور 347 کے التزامات پر منفی اثر ڈالے بغیر، ہندی دیوناگری رسم الخط میں، اس تاریخ سے جو طے کی جائے، جب ریاستی حکومت آفیشیل گزٹ میں نوٹیفائی کرے، ان امور کی زبان ہوگی: (اے) (i) دستور کے آرٹیکل 213 کے تحت نافذ کیے جانے والے آرڈیننس، (ii) دستور ہند کے تحت یا پارلیمنٹ کے ذریعہ بنائے گئے یا ریاستی مقنّنہ کے ذریعہ بنائے گئے کسی قانون کے تحت ریاستی حکومت کے ذریعہ جاری کیے جانے والے احکامات، ضابطے وقوانین اور بائی لاز، اور (بی) ریاست کے سبھی سرکاری مقاصد یا کوئی ایک مقصد؛ اور درج بالا کلاز (اے) و (بی) میں مختلف مقاصد کے لیے مختلف تاریخیں طے کی جاسکتی ہیں۔

مذکورہ سیکشن 2 میں 1969 کے یوپی ایکٹ نمبر 9 کے ذریعہ ایک شق جوڑی گئی۔ وہ اس طرح ہے: ''تجویز ہے کہ ریاستی حکومت عام یا خاص حکم کے ذریعہ اس سلسلہ میں ہندوستانی اعداد کی بین الاقوامی شکل کے

استعمال کی اجازت ریاست کے کسی بھی سرکاری مقصد کے لیے دے سکتی ہے''۔

38 2014/اے آئی آر ایس سی ڈبلو5238۔

39 ایضاً، پیرا/3، 5240

40 ریاستی حکومت نے 07.10.1989 کو ایک نوٹیفکیشن جاری کیا، جس کے ذریعہ اردو زبان کو سات مقاصد کے لیے بطور دوسری سرکاری زبان استعمال کیے جانے کے لیے نوٹیفائی کیا گیا: 1۔ اردو میں درخواستوں اور عرضداشتوں کو لینا اور اردو میں ان کے جواب دینا، 2۔ اردو میں لکھے گئے دستاویزوں کو رجسٹریشن دفتر کے ذریعہ لیا جانا، 3۔ اہم سرکاری احکامات، ضابطوں اور نوٹیفکیشن کو اردو میں بھی شائع کرنا، 4۔ عوامی اہمیت کے سرکاری احکامات اور سرکولرس کو اردو میں بھی جاری کرنا، 5۔ اہم سرکاری اشتہارات کو اردو میں بھی شائع کرنا، 6۔ گزٹ کا اردو ترجمہ بھی شائع کرنا، 7۔ اہم سائن بورڈوں کی اردو میں بھی نمائش۔

41 ایضاً پیرا/9، 5240 پر

42 ایضاً پیرا/9، 5241 پر

43 ایضاً پیرا/9، 5240 پر

44 ایضاً پیرا/13، 5241 پر

45 ایضاً پیرا/15، 5241 پر

46 2014 اے آئی آر ایس سی ڈبلو 5238

47 اپورو امندھانی، سپریم کورٹ کی دستوری بنچ نے اردو کے لیے اتر پردیش کی دوسری سرکاری زبان کا قانون برقرار رکھا۔

[http://www.livelaw.in/supreme-court-constitution-bench-upholds-provision-urdu-second-official-langua]

48 ایضاً، پیرا/26، 5249 پر

49 ایضاً، پیرا/27، 5249 پر

50 ایضاً

51 ایضاً، پیرا/36، 5250 پر

52 ایضاً، پیرا/39، 5252 پر

53 ایضاً، پیرا/34، 5251 پر

54 ایضاً، پیرا/39، 5252 پر

55 کرشنا داس راج گوپال، سپریم کورٹ نے اردو کو اتر پردیش کی دوسری سرکاری زبان کے طور پر پھر دوہرایا۔

http://www.thehindu.com/news/national/satelegislaturescanmakealanguageasofficial languagesc/article6388514/ece

پر دستیاب ہے۔(آخری بار ترمیم، ستمبر 7، 2014)

56 ایضاً، پیرا/ 41، 5252 پر

57 ایضاً، پیرا/ 42، 5253 پر

58 'سپریم کورٹ نے اردو کو اتر پردیش میں بطور دوسری سرکاری زبان برقرار رکھا'۔ یہ درج ذیل ویب لنک پر دستیاب ہے:

[http://indiatoday.intoday.in/story/sc-upholds-urdu-as-second-official-language-in-uttar-pradesh/1/380970.html]

59 'عدالت عالیہ نے اردو کو اتر پردیش میں بطور دوسری سرکاری زبان برقرار رکھا'۔ درج ذیل ویب لنک پر دستیاب ہے:

http://indianexpress.com/article/india/indiaothers/apexcourtupholdsurduas secondofficiallanguageinup/

60 (آخری بار ترمیم، ستمبر 5، 2014)

قانون کی تاریخ اور ہندوستان کے نظام تعلیم میں اردو کا رول وموزونیت

پروفیسر شوکت اللہ خاں

متعلقہ قانون کی نوعیت اور نظام تعلیم میں زبان کا مقام، دراصل زبان اور اہل زبان کے تئیں فیصلہ کن افراد، جماعت و تنظیم کے طرز فکر اور رویہ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ لسانی پالیسی کی تشکیل سے قانون وضع کرنے کے عمل تک کا سلسلہ غالب محرکات، اغراض ومقاصد سے متاثر اور ایک حد تک متعین بھی ہوتا ہے یعنی اردو سے متعلق قوانین، زبان کا نظام تعلیم میں مقام اور موزونیت کی منظر کشی کے لیے ان محرکات کا شامل بحث ہونا لازمی امر ہے۔ جدید دور میں پہلے برطانوی اغراض ومقاصد سے اردو کی تقدیر متعین ہوئی، دھیرے دھیرے تحریک آزادی اور ہندی تحریک اثر انداز ہوئی اور بعد میں آزاد ہندوستان کے جمہوری طرز حکومت اور انتخابی تقاضوں نے اردو کی راہیں اور سمت مقرر کی۔ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ قوانین بدلے، نظام تعلیم میں حیثیت متاثر ہوئی اور موزونیت میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ پیش نظر مقالہ انہی تغیرات اور متعاقب

تبدیلیوں کا تاریخی تناظر میں ایک سرسری جائزہ ہے۔

سلاطین اور مغل بادشاہوں کا دور فارسی کے غلبہ کا دور تھا جبکہ اردو ارتقائی مراحل سے گزر رہی تھی سلطنتوں کا شیرازہ بکھرا تو دکن میں اور بعد میں جونا گڑھ، بھوپال، ٹونک جیسی چند مقامی ریاستوں نے کسی حد تک اردو کو اپنایا، ریاست حیدرآباد نے اردو کو پروقار مقام پر فائز کیا۔ اس ریاست میں 19ویں صدی کے نصف میں اردو اسکولی تعلیم کا حصہ بنی۔ 1884 سے 1948 تک یہ عدالتوں کی زبان بھی رہی۔ حیدرآباد نے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا۔ درکار تعلیمی مواد فراہم کرنے کے لیے ترجموں کا سہارا لیا۔ تالیفات اور تصنیفات بھی وجود میں آئیں۔ پیشہ ورانہ تعلیم میں بھی اردو ذریعہ تعلیم بنی۔ اردو پریس قائم ہوا۔ جریدوں اور اخبارات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ مگر حیدرآباد ایک محدود علاقائی ریاست تھی، اس لیے ہندوستان میں پھیلنے اور پھلنے پھولنے کے لیے برطانوی حکومت کی سرپرستی ضروری تھی۔ برطانوی ہندوستان میں اردو نے جو جہت اور وضع اختیار کی آزادی کے بعد بھی وہی طرز اور اردو کے تئیں وہی رجحان جاری رہے۔

مغل سلطنت کے باقیات کو غصب کرنے کے بعد انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی نے مفتوحہ علاقوں پر اپنی گرفت مستحکم کرنے اور نظم ونسق قائم کرنے کے قصد سے دوررس پالیسی مرتب کی۔ اس پالیسی کے تحت کمپنی کی حکومت نے مغل دور کے تہذیبی عناصر اور اثرات کی بیخ کنی اور عوام کے ساتھ اپنی غیر مانوس حکومت کا براہ راست تعلق قائم کرنے کا فیصلہ لیا۔ کمپنی نے محسوس کیا کہ مغلوں کی پسندیدہ زبان فارسی مغل حکمرانی کی غماز تھی مگر عوامی زبان نہ تھی۔ لہٰذا کمپنی نے فارسی کو اکھاڑ پھینکنے کے ارادے سے متبادل کے طور پر اردو کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ انگریزی کو ترجیحی زبان کی حیثیت سے قائم رکھتے ہوئے اردو کو عوامی رسائی کے لیے دفتروں اور نچلے درجہ کی عدالتوں میں رائج کیا۔

1793 اور 1798 کی بنگال ریگولیشن کے ذریعہ اردو کو انتظامیہ کی زبان کا درجہ دینے کی سمت میں پہلی پیش رفت ہوئی۔ ابتدا میں جزوی طور پر دوسری مقامی زبانوں کو بھی اپنایا گیا۔ 1837 تک مختلف صوبوں کے دفاتر اور عدالتوں میں مقامی زبانیں کافی حد تک فارسی کی جگہ لے چکی تھیں۔ آئندہ دو دہائی میں کمپنی نے شمالی خطّوں بشمول پنجاب، فارسی اور مقامی زبانوں کو

برطرف کیا اور اردو اور انگریزی کو ترجیح دی۔ 1850 عیسوی تک اردو اور انگریزی پہلی زبان کے مرتبہ پر فائز ہو چکی تھیں۔

برٹش نظام تعلیم میں اردو

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرکار نے اپنے سیاسی اور انتظامی مفادات کے پیش نظر اردو کی تدریس اور اردو ذریعہ تعلیم کو فروغ دینا مناسب تصور کیا۔ اس سمت میں شمالی مغربی صوبوں میں خصوصی کوششیں بھی کیں۔ شروع میں اردو کو فارسی کا متبادل بنا کر رائج کرنے کی کوشش کی۔ اردو کی تعلیم فارسی اسکولوں کے نصاب میں شامل کی گئی، فارسی کے اساتذہ کو فارسی کے ساتھ ساتھ اردو پڑھانے کے لیے راغب کیا گیا۔ فارسی مدارس کے اساتذہ کو اردو اور ہندی اسکولوں کے اساتذہ کو ناگری کی تعلیم کے لیے آمادہ کرنے کی غرض سے عہدے داروں کو ہدایات جاری کی گئیں۔ ضلع اور ذیلی سطح کے اسکولوں سے متعلق عہدے داروں کو نقد رقوم فراہم کی گئیں تاکہ نقدی کے لالچ سے عربی، فارسی اور سنسکرت کے بجائے اردو اور ہندی کو ترجیح دی جاسکے۔ ساتھ ہی ساتھ اردو اور ہندی کے طلبا کے لیے انعامات کا نظام بھی قائم کیا۔ ان اقدام سے سرکار ابھرتی ہوئی نسل کو عربی، فارسی اور سنسکرت سے بھی علیحدہ کرنا چاہتی تھی۔

غیر متوقع اسکولوں نے بھی اردو کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ عیسائی مشنری اسکولوں نے اردو کو تدریسی مضامین میں شامل کیا مگر رومن رسم الخط کے ذریعہ پڑھایا۔ ان اسکولوں میں لڑکیاں بھی زیر تعلیم آئیں اور انھوں نے پہلی بار اردو کی رسمی تعلیم حاصل کی۔

اردو پڑھانے والے اسکولوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ 1852 میں صرف پانچ اردو اسکول تھے۔ ہندی اور اردو کی یکجا تدریس میں شامل اسکولوں کی تعداد 55 تھی۔ فارسی کے ساتھ اردو پڑھانے والے اسکولوں کی تعداد 150 سے زیادہ ہوگئی تھی۔ انگریزی اور مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ ہندی۔ اردو پڑھانے والے اسکول ان کے علاوہ تھے۔ ان کی تعداد کم و بیش 250 تھی۔ براہ راست سرکاری نگرانی میں اردو پڑھانے والے اسکول ان کے علاوہ تھے۔ پنجاب کے سرکاری اسکولوں میں اردو کی مقبولیت میں سرعت سے اضافہ ہو رہا تھا۔ 72-1871 تک یہاں اردو طلبا کی تعداد 25000 تک پہنچ چکی تھی۔ چار سال بعد یہ تعداد 33000 ہوگئی۔ اسی دوران ہندی

کے طلبا کی تعداد 19000 سے بڑھ کر 30000 ہوگئی۔ دونوں زبانیں ہمہ وقت اور ایک ساتھ پیش رفت کررہی تھیں۔19 ویں صدی کے ختم ہونے تک اردو کی تعلیم مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لیے بھی کم وبیش ضروری خیال کی جانے لگی تھی۔

ذریعۂ تعلیم

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں شمالی ہندوستان میں اردو اسکولی تعلیم کی زبان بن چکی تھی۔ بعد میں ملکۂ برطانیہ کی سرکار نے بھی رواں لسانی پالیسی کو ہی جاری رکھا۔اس کے نتیجہ میں اردو کی تدریس اور اردو کے ذریعہ تعلیم میں اضافہ کی روش جاری رہی۔ 1867 کی ایک رپورٹ کے مطابق دوسری زبانوں کو پسند کرنے والے والدین بھی اپنے بچوں کو اردو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے، بڑھتی ہوئی تعداد میں، فارسی مدارس میں بھیج رہے تھے۔مگر اردو کے لیے یہ ترجیح شہری باشندوں تک ہی محدود تھی۔ دیہاتوں میں عام طور سے ہندی کے لیے رغبت کہیں زیادہ تھی۔

اسی دور میں اردو عصری علوم کی تدریس کا بھی ذریعہ بنی۔ ریاضیات، حساب داری (Accounting) وتاریخ جیسے عصری مضامین روایتی فارسی اسکولوں میں شامل نصاب نہیں تھے۔ اردو میڈیم اسکولوں میں یہ مضامین 1854 تک نصاب میں شامل ہو چکے تھے۔

اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اردو

19 ویں صدی سے شمالی ہند کے تعلیمی اداروں میں بھی اردو نے بحیثیت زبان اور ذریعہ تعلیم رواج پایا۔ تعلیمی اداروں، عدالتوں اور سرکاری تنظیموں میں استعمال کے نتیجہ میں اردوداں لوگوں کی ضرورت پیدا ہوئی تو روزگار کے لیے اردو کی رغبت پیدا ہونا لازمی عمل تھا۔ 19 ویں صدی کی آخری دہائیوں میں اردو میں اعلیٰ استعداد کے حامل لوگوں کی ضرورت میں لگاتار اضافہ ہورہا تھا۔

بڑھتی ہوئی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیمی اداروں نے بھی اردو کو نصاب میں شامل کیا اور اردو ذریعہ تعلیم کو نصابی نصب العین بنایا۔ ایسے اہم ترین اداروں میں بنارس کالج (1792)، آگرہ کالج (1823)، دہلی کالج (1825)، بریلی کالج (1837) قابل ذکر ہیں۔ دہلی کالج میں تو سبھی طلبا اردو پڑھتے تھے۔اس میں ذریعہ تعلیم بھی اردو ہی تھی۔ دہلی کالج ایسا پہلا ادارہ ہے

جہاں طلبا مغربی علوم سے اردو کے ذریعہ بہرہ ور ہوئے۔ اس کالج میں مشرقی اور مغربی مضامین کے شعبوں سمیت سبھی سائنسی مضامین اردو میڈیم سے پڑھائے جاتے تھے۔

درس و تدریس کے لیے درکار تعلیمی مواد بھی اردو میں تیار کیا گیا۔ دہلی ورنا کولر ٹرانسلیشن سوسائٹی اور اپنے اساتذہ کے تعاون سے دہلی کالج نے بہت سی کتابوں کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرایا۔ بیدار مغز اور اصلاح پسند مسلمانوں نے بھی مغربی علوم کی اردو کے ذریعہ تدریس و تشہیر کا خیال پسند کیا اور وہ بھی ترجموں اور تالیفات کے عمل میں شامل ہوئے۔ ورنا کولر سوسائٹی نے 1857 تک ترجموں کا سلسلہ جاری رکھا۔ سرسید احمد خاں نے غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کی۔ ترجموں کی رفتار میں اضافہ ہوا۔ 128 کتابوں کا عربی، فارسی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا۔ منشی محمد ذکاء اللہ نے سائنسی علوم کو اردو میں منتقل کرنے میں گرانقدر کارنامہ انجام دیا۔ انھوں نے ریاضیات سے لے کر تاریخ تک کی تقریباً 150 کتابیں شائع کرائیں۔ علمی مرتبہ اور خدمات کے پیش نظر منشی ذکاء اللہ کو 19 ویں صدی کی دہلی کی زندہ قاموس تصور کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف حیدرآباد میں بھی اردو میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔ دارالترجمان کے صدر مولوی عبدالحق نے شمالی ہندوستان کی اہم شخصیات کے تعاون سے سبھی ممتاز نصابی کتابوں کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرایا اور 400 کے قریب کتابیں شائع کیں۔ مگر افسوس، بیشتر کتابیں 1955 میں نظر آتش ہوگئیں۔ پھر بھی چند تصنیفات نظام ٹرسٹ لائبریری حیدرآباد میں تاحال محفوظ ہیں۔ دارالترجمان میں انتظامی اور قانونی اصطلاحات کی فرہنگ بھی مرتب کی گئی۔ مگر یہ بیش قیمتی تالیف بھی صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئی۔ شمالی ہندوستان میں ٹیکنیکل تعلیم میں بھی اردو کو جگہ ملی۔ مثال کے طور تھامسن سول انجینئرنگ کالج روڑکی میں اردو خواندگی داخلہ کے لیے لازمی شرط تھی۔ اودھ میں اردو طبّی تعلیم میں بھی رائج تھی۔ 1860 تا 1904 کے دوران 3786 طلبا نے اردو کے ذریعہ اور 2631 طلبا نے انگریزی میڈیم سے علم ادویات میں تعلیم مکمل کی تھی۔ حیدرآباد میں بھی پیشہ وارانہ تعلیم اردو میڈیم میں شروع کی گئی۔ یہاں فیکلٹی آف لاعثمانیہ یونیورسٹی میں ضم ہوگئی۔ حیدرآباد میں اردو پریس کا قیام بھی عمل میں آیا۔ رسالہ طبابت نام کا ادویات پر پہلا اردو رسالہ 1857 میں شائع ہوا۔ اردو کے پہلے اخبار خورشید دکن کی اشاعت کا سلسلہ 1883 سے شروع ہوا۔ 19 ویں صدی کی

آخری دہائی میں اردو میں شائع ہونے والے 12 اخبارات میں 7 اخبار یومیہ تھے۔

سرکاری کام کاج، عدالتوں اور نظام تعلیم میں اپنائے جانے کے سرکار کے فیصلہ کے نتیجہ میں اردو نے برطانوی حکومت کے دوران قابل قدر مقام حاصل کیا۔ اس زمانے میں تحریر و تقریر کے علاوہ ترجموں میں بھی اردو ترجیحی زبان بن گئی تھی۔ ایسا اس لیے بھی ہوا کہ عدالتی اور سرکاری دستاویزات کا اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ انگریزی عہدے داران بھی اردو سیکھتے اور اردو میں ہی ہندوؤں اور مسلمانوں سے بات چیت کرتے تھے۔

سمت سرکار کے مطابق 18 ویں اور 19 ویں صدی کے ہندوستان کے بڑے حصے میں اردو شائستہ محفلوں کی زبان تھی۔ اردو کو یہ مقام بلاتفریق مذہب و ملت حاصل تھا۔ 1881 سے 1890 کے دوران اردو میں شائع ہونے والے اخبارات کی تعداد ہندی کے مقابلہ دگنی اور کتابوں کی تعداد 55 فیصد زیادہ تھی۔ یہ اعداد و شمار اردو زبان کے مقبول عام ہونے کے مظہر ہیں۔ ساتھ ہی ہندی اور اردو کے ایک ساتھ روبہ سفر ہونا بھی اس دور کی قابل تحسین علامت ہے۔

لسانی سیاست اور قوانین کے منفی اثرات

جلد ہی افزائشی حالات اس حد تک تبدیل ہوئے کہ اردو گوشہ نشینی کی طرف گامزن ہونے لگی اور ہندی ایک مضبوط متبادل کی حیثیت سے ابھری۔ منشی پریم چند کا تجربہ زبانوں کی بدلتی ہوئی حیثیت کا عکاس ہے۔ منشی پریم چند زیادہ تر اردو میں لکھتے تھے اور یہ سلسلہ 1915 تک جاری رہا جب انھیں اردو میں اشاعت کی راہ میں شدید مسائل سے دوچار ہو کر اپنی روش بدلنے کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ 1900 عیسوی آتے آتے ہندی تحریک زور پکڑ چکی تھی۔ ہندی اشاعت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا اور اردو میں ان کا تناسب اور تعداد بتدریج گر رہی تھی۔ ہندی کے فروغ اور اردو کی زوال پذیری میں انگریزوں کی لسانی پالیسی اور طریقۂ کار بھی کارفرما تھے۔

انگریز سرکار نے اپنی ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی میں مذہب کے ساتھ ساتھ لسانی امور یعنی اردو ہندی کو بھی استعمال کیا۔ اہل زبان اپنی زبانوں کی ثقافت اور اپنے اپنے مذہب سے جذباتی تعلق پیدا کرنے میں مبالغہ آمیزی سے کام لے رہے تھے۔ جس سے ٹکراؤ کی صورت حال پیدا ہو رہی تھی۔

سرکار کے قانون اور ہندی تحریک

انیسویں صدی کے آخری دور میں رسم الخط، نہ کہ زبان، بحث کا مدعا بنا یعنی ہندوستانی مانی جانے والی زبان کا رسم الخط دیوناگری ہو یا پھر فارسی رسم الخط ہی جاری رہے۔ دیوناگری رسم الخط کو استعمال میں لانے کے لیے ہندی کے ہم نواؤں نے مانگ کی۔ جبکہ اہل اردو و فارسی رسم الخط کو ہی بنائے رکھنا چاہتے تھے۔ اودھ اور شمالی مغربی ہندوستان میں یہ بحث جاری ہوئی۔ 1867 میں بنارس کے کچھ اہم ہندوؤں نے تحریک شروع کی اور مطالبہ کیا کہ اردو کی جگہ ہندی اور فارسی رسم الخط کی جگہ دیوناگری کو اپنایا جائے۔ متحدہ ہائے صوبہ آگرہ اودھ میں دیوناگری رسم الخط اپنانے کے لیے زور دیا گیا۔ اس تحریک کے اہم ترین رہنما بابو شیو پرساد اور مدن موہن مالویہ تھے۔ اس تحریک کے ردعمل میں اہل اردو نے اردو کو ہی موجودہ مقام پر بنائے رکھنے کی تحریک شروع کی۔ سرسید احمد خاں اردو تحریک کے رہنماؤں میں سے ایک تھے۔

ہندی تحریک کا مقصد کافی وسیع تھا۔ کرسٹوفر کنگ کے مطابق ہندی تحریک کا اصل مقصد ہندی کو اردو سے جداگانہ اور آزاد شناخت دینا، ہندی کو ہندو تہذیب و ثقافت کی علمبردار بنانا اور تعلیم کے میڈیم اور انتظامیہ کی زبان کی حیثیت میں قائم کرنا تھا۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے اردو کی برطرفی لازمی امر تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زبانوں نے فرقہ وارانہ لبادہ اختیار کر لیا۔

حالانکہ ہندوؤں کے لیے زبان کی ضرورت کا تذکرہ 1850 کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ مگر 1880 سے یہ سوال غیر متغیر شکل میں ابھرا اور اسی کے ساتھ اردو کے سایہ فگن ہونے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ زبانوں کے درمیان فکری تفریق نے اس حد تک خلیج پیدا کی کہ اگر ہندو اردو بولتا تھا تو اسے ہندی کہا جاتا اور مسلم نے ہندی استعمال کی تو اسے اردو قرار دیا جاتا۔ اس صورت حال کی اصل وجہ دونوں فرقوں کی تہذیبی و ثقافتی علمبرداری اور دعوے داری اور اس کی مبالغہ آمیز تشہیر تھی۔ یہ پہلو تحریک آزادی میں داخل ہوا اور مناقشہ کی کبھی ختم نہ ہونے والی وجہ بنا رہا۔ اس سے زبانیں فرقے بندی ہوئیں اور فرقے زبانوں کے اسیر بننے لگے۔

انگریزی سرکار کے ہندی کی طرف جھکاؤ نے مزید تناؤ پیدا کیا۔ انگریزوں نے 1860 کی دہائی میں شمالی ہندوستان میں تضاد کی حامل پالیسی اپنائی۔ سرکار نے ایک طرف اسکولی تعلیم

میں دونوں زبانوں کو بحیثیت میڈیم بڑھاوا دیا مگر دوسری طرف دیوناگری رسم الخط کو دفتری کام کاج میں جگہ نہ دی۔ اس سے سرکاری ملازمت کے خواہاں طلبا کے درمیان اختلاف پیدا ہوا جو جلد ہی فرقہ وارانہ نوعیت اختیار کر گیا۔ ایک دوسرے سرکاری حکم نے اختلافات کو مزید شہ بخشی۔ 1881 عیسوی میں دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو بہار کی سرکاری زبان قرار دے کر اردو کو باہر کا راستہ دکھا دیا گیا۔ بیس سال بعد ہندی کو مزید مراعات حاصل ہوئیں۔ لیفٹننٹ گورنر نے ایک حکم نامہ جاری کر کے ہندی۔ دیوناگری اور اردو فارسی رسم الخط کو شمال مغرب میں برابر کا درجہ دے دیا۔ اس سے اردو طبقہ کی ناراضگی میں مزید اضافہ ہوا اور ہندی کی ہمت افزائی ہوئی۔ حکم نامہ کے خلاف احتجاج کو دبانے کے لیے دھمکیوں کا سہارا لیا گیا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حکم نامہ کے باوجود شمال مغربی صوبوں اور اودھ میں فارسی رسم الخط میں اردو کا استعمال غالب رہا اور یہ سلسلہ آزادی حاصل ہونے تک جاری رہا۔ پھر بھی اس حکم نامہ نے ہندی اور اردو کے پرستاروں کے درمیان تلخی میں اضافہ کیا جو انگریزوں کا مقصد بھی تھا۔

لسانی نقطۂ نظر سے بھی ہندی اور اردو کے درمیان فرق بڑھ رہا تھا۔ سنسکرت ہندی کا ماخذ بن کر ابھر رہی تھی اور فارسی کے الفاظ کی جگہ ہندی کے ہم معنی الفاظ استعمال میں بڑھ رہے تھے۔ دوسری طرف اردو میں فارسی کے الفاظ اپنانے کی رغبت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ہندوستانی سے ہندی

انگریز سرکار نے زبانوں کو ثقافتی تشخص دے کر ساجھا زبان یعنی ہندوستانی کو بھی تقسیم کی نذر کر دیا۔ اس کا سلسلہ فورٹ ولیم سے شروع کیا گیا۔ یوں تو ڈاکٹر جان گلکرسٹ کو ساجھا زبان یعنی ہندوستانی کی ایک ساجھا گرامر تیار کرنے کا ذمہ سونپا گیا تھا۔ مگر انھوں نے جو کیا اس نے مزید ہنگامہ آرائی کا وسیلہ فراہم کر دیا۔ بقول راجہ شیو پرساد، گلکرسٹ نے مقامی زبانوں کی گرامر کے بدلے دو گرامر تیار کیں، ایک گرامر کایستھ بچوں کے لیے اور دوسری برہمنوں اور بنیوں کے لیے۔ دوسرے، زبانوں کو ثقافتی شناخت دے دی۔ ہندوی کی مختلف قسموں کو ثقافتی ورثہ کے ساتھ ساتھ سماج کے مختلف طبقوں اور مرتبوں سے جوڑ دیا۔ اس سے مغربیت اور مشرقیت کے حامیوں کے درمیان زبان کی بنیاد پر تقسیم اور تفریق کا مسئلہ وسیع اور گہرا ہو گیا۔ لسانی یکجہتی کی کوشش

مزید نفاق کا سبب بتادی گئی۔ بالخصوص اس لیے کہ قومی تحریک کے دوران سیاسی جدید کاری اور ثقافتی بیداری کو لازم وملزوم بنانے کی کوشش، شدت کے ساتھ زیرِعمل آئی۔تحریک کے رہنماؤں نے بھی زبان کو ثقافت یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں سے منسلک کر دیا۔

مہاتما گاندھی نے بڑھتی ہوئی تفریق اور اس کے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے درمیانی راستہ چنا۔انھوں نے ہندوستانی کو بطور متبادل پیش کیا۔اختلاف دور کرنے کے لیے بہار میں بھی کوشش ہوئی مگر بے سود۔

تحریک آزادی کے دوران انڈین نیشنل کانگریس نے دیوناگری رسم الخط میں ہندی کی حمایت کا فیصلہ لیا تو لسانی مسئلہ کے حل کی کوششوں کی سمت ہی یکسر پلٹ گئی۔ بال گنگا دھر تلک نے دیوناگری اور قومی تحریک کو ایک دوسرے کا لازم وملزوم قرار دیا۔ ہندی کو ہندوستانی قومیت کا جزواعظم بنانے کی پہل کر دی گئی تھی۔قوم پرست رہنماؤں کی بڑی تعداد اپنی زبان یعنی ہندی کے توسط سے ہی قومی جنگ لڑنا چاہتی تھی۔ان قوم پرستوں نے ہندی کو قوم پرستی اور قومی تحریک کے مساوی بنا کر پیش کیا۔اسی کے ساتھ مذہبی وسیاسی رہنما، اصلاح پسند شخصیات اور اہل علم وقلم بھی ہندی کی حمایت میں آواز بلند کر رہے تھے۔محمد علی جناح نے زبان کے فرقہ پرستانہ رنگ کو مزید گاڑھا کر دیا۔ جناح نے اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دیا اور ملک کی تقسیم کا ضروری وسیلہ بھی بتایا۔گاندھی جی کی کوشش کے باوجود ہندوستانی کوئی مقام حاصل نہ کر سکی۔فضا ہندی کی حمایت میں تیار ہو چکی تھی۔خود کانگریس کی نظر میں ہندوستانی یا مسلمانوں کو رعایت یا حمایت کی گاندھی جی کی کوشش بے معنی تھی۔انجام کار، کانگریس کی توجہ ہندی پر مرکوز ہوئی، ہندوستانی اور اردو کو ان کے اپنے حال پر یعنی گم ہو جانے کے لیے چھوڑ دیا۔

آزاد ہندوستان میں اردو

آزاد ہندوستان میں اردو کی حیثیت آزادی کی تحریک کے دوران کم وبیش متعین ہو چکی تھی۔یعنی دیوناگری رسم الخط میں ہندی کے ساتھ انگریزی کو مرکزی مقام حاصل ہونا کم وبیش ناگزیر تھا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حیدرآباد کے دانشور اردو کو انگریزی کے بجائے قائم کرنے کے لیے کمربستہ تھے مگر شمالی ہند میں یہ جنگ انگریزی کے خلاف نہ ہو کر ہندی بنام اردو

تھی۔ جس میں ایک دیسی زبان ہندی کو دوسری دیسی زبان اردو پر غلبہ حاصل کرنا تاریخی مہم کا متوقع نتیجہ تھا۔

مرکزی قوانین اور اردو

آئین کی مسودہ کمیٹی نے آئین ساز اسمبلی کی اجازت کے بغیر ہی ہندوستانی کو قلم زد کر کے اس کی جگہ ہندی مندرج کر دی۔ آئین ساز اسمبلی کے سامنے 13 ستمبر 1949 کو آر۔ وی۔ دیولیکر نے اعلان کیا کہ ''ہندوستانی زبان سے مراد ہندی ہے، یہ سرکاری زبان ہے، قومی زبان ہے، آپ کا تعلق کسی دوسرے ملک سے ہوسکتا ہے، مگر میرا تعلق ملک ہندوستان سے ہے، ہندی ملک سے ہے، ہندو، ہندوستانی قوم سے ہے۔'' ہندی، ہندوستان سے متعلق یہ بیان ہندی اور اردو کے مستقبل کے بارے میں واضح اشارہ تھا۔ دوسرے دن ہی آئین ساز اسمبلی نے زبانوں سے متعلق اہتمام کیا اور ہندی کو سرکار کی زبان بنا دیا۔

آزاد ہندوستان میں اردو کا مقام کل ہند قوانین اور صوبہ جاتی قوانین کے تحت طے ہوتا ہے۔ سرکاری زبانوں سے متعلق قانونی ڈھانچہ کا منبع دستور ہند ہے۔ اردو کو دستور کی آٹھویں شیڈول میں 22 زبانوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ مرکزی قانونی ڈھانچے میں آفیشل لینگویج ایکٹ 1976,1963 اور 1987 کے علاوہ ضابطے، احکامات اور وقتاً فوقتاً مرتب کی جانے والی پالیسیوں پر مبنی ہدایات بھی شامل ہیں۔ موجودہ قوانین کے تحت مرکزی سرکار کا یہ فرض ہے کہ وہ شیڈول میں مندرج 22 زبانوں بمعہ اردو ترقی کے لیے اقدام کرے تاکہ یہ زبانیں تیزی سے آگے بڑھیں اور عصری علوم سے رسائی کا موثر ذریعہ یعنی جدید تعلیم میں میڈیم کا رول ادا کریں۔ ان زبانوں کو پبلک سروس کمیشن میں ملازمت کے لیے امتحانات دینے کی قانونی حیثیت بھی حاصل ہے۔ صوبائی سطح کے قوانین، ضابطے اور احکامات کے تحت بھی ان زبانوں کو کچھ مراعات فراہم کی گئی ہیں اور یہ مراعات مرکزی مراعات کے علاوہ ہیں۔

آئین میں مادری زبان کی ابتدائی تعلیم میں ذریعہ تعلیم بنائے جانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس طرح لسانی اور ثقافتی اقلیتوں کو اپنے ورثہ اور زبان کے تحفظ کے حق کے لیے درکار تعلیمی ادارے قائم کرنے کا حق بھی آئین سے حاصل ہے۔ آئین میں 2010 کی ترمیم کے بعد ابتدائی

تعلیم کی بنیاد حقوق میں شمولیت سے 16 سال تک کی عمر کے ہر بچے کو مفت اور لازمی تعلیم کی سہولیات فراہم کرنا ریاست کا فرض ہوگیا ہے۔ اجتماعی طور سے مسلمانوں کو بحیثیت لسانی اقلیت، مذہبی اقلیت اور مخصوص مادری زبان کے حامل ہونے کے نتیجہ میں دستوری مراعات حاصل ہیں۔ مفت ولازمی تعلیم کا عمومی حق ان کے علاوہ ہے۔

آئین میں مندرج زبانوں کو مناسب جگہ دینے کے لیے مرکزی سرکار نے وقتاً فوقتاً کوششیں بھی کی ہیں۔ پہلی کوشش یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن (49-1948) کا قیام تھا۔ اس کے ایک جائزے کے نتیجہ میں سہ لسانی فارمولے کے لیے راستہ کھلا۔ ایجوکیشن (66-1964) نے سہ لسانی فارمولہ پیش کیا۔ جسے 1968 میں پارلیمنٹ کی منظوری بھی حاصل ہوئی۔ اس فارمولہ کے تحت ہندی علاقوں کے لیے ہندی، انگریزی اور ایک جدید ہندوستانی زبان پڑھنے کا اختیار دیا گیا۔ غیر ہندی ریاستوں کے لیے ہندی، انگریزی اور ایک علاقائی زبان پڑھائی جانے کی بات کی۔ نیشنل پالیسی آف ایجوکیشن نے بھی اسی فارمولہ کو دوہرایا۔ اس سلسلے میں قابل ذکر امر یہ ہے کہ اردو ایک بے ریاستی زبان ہے۔ لہٰذا اس فارمولہ سے اردو کو کوئی خاص مدد حاصل نہیں ہوئی۔

اردو کے فروغ کے لیے آئی. کے. گجرال کمیٹی (1972) کا قیام عمل میں آیا۔ 1975 میں پیش کی گئی سفارشات کے مطابق اردو بولنے والوں کی مطلوبہ تعداد (10 فیصد) کی شرط پر دفتروں کے علاوہ اسکولوں میں ذریعہ تعلیم کی حیثیت میں اپنایا جاسکتا ہے۔ 10 فیصدی اردو داں خطّوں میں اردو میڈیم اسکول قائم کیا جانا بھی اس کمیٹی کی ایک سفارش تھی۔ سفارشات کو کیبنٹ تک پہنچنے میں سات سال کا وقت ضائع ہوا۔ کیبنٹ نے سفارشات میں ترمیم کے بعد ہی اپنی منظوری دی۔ اس کے بعد علی سردار جعفری کی صدارت میں ایک نئی کمیٹی قائم کی گئی۔ جعفری کمیٹی نے سہ لسانی فارمولہ میں تبدیلی کی سفارش کی۔ تجویز کیا گیا کہ ہندی ریاستوں میں پہلی زبان ہندی بمعہ سنسکرت، دوسری زبان اردو یا کوئی دوسری جدید ہندوستانی زبان اور تیسری زبان انگریزی یا کوئی جدید یورپین زبان پڑھائی جائے۔ غیر ہندی ریاستوں کے لیے علاقائی زبان کو پہلی زبان کا درجہ دیا گیا۔ ہندی کو دوسری زبان کے مقام پر رکھا گیا اور اردو یا کوئی جدید ہندوستانی زبان کو تیسری زبان کی حیثیت سے نصاب میں شامل کیا جانا تجویز کیا۔ مگر تمل ناڈو نے ہندی کے

مطالبہ کی مخالفت کی۔ وہ اندرون ملک اور بیرون ملک رابطہ کے لیے ایک ہی زبان یعنی انگریزی کی حامی تھی۔

جہاں تک عمل کیے جانے کا تعلق ہے تو سہ لسانی فارمولہ پر شمالی و جنوبی ہندوستان میں بمشکل ہی عمل کیا گیا۔ ہیرالڈ-ایف شف میں میں نے پایا کہ اس فارمولہ کی خلاف ورزی زیادہ سے زیادہ ہوئی ہے اور اس پر عمل کم۔ اردو تو برائے نام ہی مستفید ہوئی۔ نیشنل کریکولم فریم ورک 2005 نے ایک بار پھر سہ لسانی فارمولہ کا اعادہ کیا۔ نقادوں نے پایا کہ اس تجویز میں ہندی کو ڈھکے چھپے انداز میں غیر علاقائی زبان کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری علاقائی زبان علاقائی ہی رہیں۔ ناقدین کے مطابق جمہوریت میں یوں تو سبھی برابر ہیں مگر ہندی کو برابری سے کہیں زیادہ وزن دیا گیا ہے۔ انھوں نے خدشہ کا اظہار کیا کہ ہندی دوسری سبھی زبانوں پر اس حد تک غلبہ اختیار کر لے گی کہ علاقائی زبانیں بمعہ اردو ختم ہو جائیں گی۔

آئینی دفعات کے تحت مرکزی سرکار صوبائی سرکار کو لسانی اقلیتوں سے متعلق ضروری ہدایات جاری کرنے کی مجاز ہے۔ اس اختیار کے تحت مرکزی سرکار کسی صوبے کے مخصوص خطے یا مخصوص کام کاج کے لیے اقلیتی زبان کو اپنانے کے لیے صوبائی سرکار کو ہدایت دے سکتی ہے۔ مگر اردو کے حق میں اس اختیار کا استعمال اتفاق سے ہی کیا گیا ہوگا۔ اردو کے حق میں کیے گئے مطالبات بھی عام طور سے بے اعتنائی کی نظر ہوتے رہے۔ اردو کو دوسری یا اضافی سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے سے متعلق قانون وضع کرانے کی کوششیں اور لمبا انتظار شاہد ہے کہ آئین کی پاسداری کرانے کے لیے بھی ہمت شکنی کی حد تک صبر آزما کوششیں اور انتظار کرنا پڑا۔

صوبائی تصویر

دستوری دفعات، مرکزی قوانین اور ہدایتوں کے ساتھ ساتھ خود اپنے قوانین، ضابطوں اور فیصلوں پر عمل درآمد کرانے کی ذمہ داری صوبائی سرکار اور انتظامیہ پر عائد ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اردو سے متعلق قوانین کی کامیابی کا انحصار صوبائی سرکار کی نیت اور ارادوں پر موقوف ہے۔ ہندی تحریک کے ذکر میں یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ تحریک اپنے قصد و عمل میں اردو مخالف بن کر ابھری تھی۔ اردو کو تقسیم ہند کا وسیلہ بھی گردانا گیا۔ ملک تقسیم ہوا تو اردو کے

پاکستان ہجرت کیے جانے کی دلیل بھی پیش کی گئی۔ اردو کو مسلمانوں کی زبان تعبیر کیا گیا اور اس خیال کو کافی تشہیر بھی دی گئی۔ انجام کار اردو کے تئیں بالخصوص شمالی ہندوستان میں معاندانہ فضا پیدا ہوئی۔ تعداد کے اعتبار سے اردو حامی کہیں کم تھے جبکہ اردو مخالفین کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔

دستور ہند نے صوبائی حکومتوں کو سرکاری زبان چننے اور طے کرنے کا حق تفویض کیا ہے۔ مرکزی سرکار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شمالی ہندوستان کے صوبوں نے بھی ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے قانون وضع کیے۔ آج کل نو صوبوں کی سرکاری زبان ہندی ہے۔ انہی صوبوں میں اہل اردو کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے اور یہ ہی وہ صوبے ہیں جہاں اردو کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ State Reorgnization Act کے تحت صوبوں کی حد بندی لسانی بنیاد پر قائم ہوئی تو اردو بے گھر ہوگئی اور اس کی ترقی کی راہیں بھی مسدود ہوگئیں۔ ہندوستان میں اردو اقلیتی زبان تھی۔ صوبوں کی تشکیل نو کے بعد یہی حیثیت ملک کے ہر ایک صوبہ میں بھی پختہ ہوگئی۔ اب اردو صوبہ جاتی زبان نہیں ہے۔ جموں و کشمیر کی نوعیت جدا ہے۔

ہندی تحریک نے ہندی خطوں میں لسانی اور فرقہ وارانہ تقسیم سے اردو کو کمزور کر دیا تھا۔ آزادی کے بعد نظریاتی و ثقافتی جھکاؤ اور انتخابی ضرورتوں نے اردو کے تئیں صوبائی سرکاروں کا رویہ متعین کرنے میں نمایاں رول ادا کیا۔ انتخابی سیاست میں زبان کی اہمیت اس کے حسن سے نہیں، اہل زبان کی تعداد سے ہوتی ہے۔ انتخابی سیاست میں اردو کو اہل اردو کی تعداد کی قلت نے بے یار و مددگار بنا دیا۔ دستور ہند کی مساوات کی ضمانت کے باوجود ہندی غیر متناسب نوازشات حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ مثلاً 1963 تا 1966 تنہا ہندی کے فروغ کے لیے خرچ کی گئی رقم دوسری سبھی زبانوں کے حصہ میں آنے والی رقوم سے بیس (20) گنا زیادہ تھی۔ حال ہی میں مرکزی سرکار نے پورے ہندوستان میں سبھی سرکاری کام کاج میں ہندی کے استعمال کو فروغ دینے کے لیے اپنے منصوبے کا اعلان کیا ہے۔

اردو کی ثانوی حیثیت کے لیے جدوجہد

اہل اردو نے اردو کی ثانوی حیثیت تسلیم کر لی ہے۔ ہندی کی پرائم پوزیشن ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ چند صوبوں میں اردو کو دوسری یا اضافی سرکاری زبان کی حیثیت دلانے کے لیے

ہمدردان اردو کا مطالبہ اس حقیقت کا واضح اعتراف ہے۔ دستوری اعتبار سے اردو کو مناسب مقام دلانا مرکزی سرکار کا فرض ہے۔ مگر اس سلسلے میں مرکز اور صوبہ کم وبیش ہم ساز نظر آتے ہیں۔ دستوری دائرے میں مطلوبہ قانون وضع کرنے میں بے جا تاخیر اس کی شاہد ہے۔

اضافی زبان سے متعلق صوبائی قانون

اہل اردو کی تعداد کے تناسب سے صوبہ میں ثانوی درجہ اردو کا حق ہونے کے باوجود یہ بمشکل ہی حاصل ہوتا رہا ہے۔ آج کل اردو جموں وکشمیر کی دو زبانوں میں ایک سرکاری زبان ہے۔ تلنگانہ کی دوسرکاری زبانوں میں ایک اردو ہے۔ یوپی، بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال اور قومی راجدھانی دلی میں اسے اضافی سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوگیا ہے۔ مگر یہ درجہ یوں ہی حاصل نہیں ہوا۔ ہمدردان اردو کی مختلف تنظیموں نے 1960 کی دہائی سے ہی مطلوبہ درجہ کے لیے کوششیں شروع کردیں تھیں۔ آزادی کے 15 سال تک تو کم وبیش سناٹا ہی قائم تھا۔ کوششوں کے نتائج بھی دھیرے دھیرے اور تاخیر کے ساتھ سامنے آنے شروع ہوئے۔ اردو مخالفت کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ مثال کے طور پر مدھیہ پردیش میں تو ایک سیاسی جماعت نے اردو کو سرکاری زبانوں میں شامل نہ ہونے دینے کا 1972 میں باقاعدہ انتخابی وعدہ کیا تھا۔ ہندی نواز طبقوں کی مخالفت بہار اور یوپی میں بھی کچھ کم نہ تھی۔ بہار کے بالمقابل یوپی میں یہ زیادہ شدید تھی۔ 1980 کی دہائی میں امید کی کرن نظر آئی۔ بہار کے پندرہ اور یوپی کے مغربی اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کے درجے سے نوازا گیا۔ مگر یہ فیصلہ آرڈی نینس کے ذریعہ لاگو کیا گیا۔ یوپی نے وقت رہتے قانون وضع نہیں کیا تو حکم نامہ غیر مؤثر ہوگیا۔ بہرحال 1989 میں یوپی نے قانون وضع کیا مگر قانون وضع ہونے کے بعد بھی مخالفت کا سلسلہ اتر پردیش ہندی ساہتیہ سملین نے جاری رکھا۔ ہائی کورٹ میں قانون کو خلاف آئین قرار دینے کی درخواست کی گئی جو نامنظور ہوئی۔ اس کے بعد سپریم کورٹ میں دستک دی مگر یہاں بھی فیصلہ اردو کے حق میں ہوا۔ سپریم کورٹ کے فیصلہ کو بھی ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے ایک ممتاز لیڈر نے یہ عزم دوہرایا کہ مہاراشٹر میں مراٹھی کے علاوہ کسی دوسری زبان کو صوبائی سطح پر سرکاری زبان بننے نہیں دیا جائے گا۔

قانونی حقوق کے علاوہ اردو کی یوپی میں حالت قابل غور ہے۔ دستوری اہتمام کے

تحت صوبائی سرکار اور مقامی انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ لسانی اقلیتوں کے لیے ان کی مادری زبان میں بلا امتیاز ابتدائی تعلیم فراہم کرنے کا بندوبست کریں۔ مگر اہل اردو کی سب سے بڑی آبادی یوپی میں ہونے کے باوجود یہاں اردو میڈیم سرکاری اسکولوں کا فقدان ہے۔ اردو مادری زبان کی آبادی کا تناسب 15 فیصد سے زیادہ ہے۔ جبکہ ابتدائی تعلیم میں اردو میڈیم بچوں کا تناسب 3.68) (1979-80 ہی تھا۔ ثانوی سطح پر یہ تناسب 3.79 فیصد تھا۔ اردو میڈیم طلبا کی تعداد محض 352022 جبکہ کرناٹک میں 360000 اور مہاراشٹر میں 438000 تھی۔ حالانکہ ان دو ریاستوں میں اردو مادری زبان کی آبادی یوپی کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

اردو سے متعلق دستوری اہتمام اور مرکزی سرکار کی اسکیموں اور پارلیمنٹ کے قوانین پر بھی صوبائی حکومتیں بادل نخواستہ ہی عمل درآمد کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو پڑھنے کے خواہاں بچوں کو جوڑ توڑ اور انتظامی الٹ پھیر کا سہارا لے کر سہولیات سے محروم کیا جاتا رہا ہے۔ نصاب میں اردو کا اختیاری یا لازمی مضمون ہونا یا پھر اس زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ صوبائی ضابطہ کے تحت ہوتا ہے۔ انتظامیہ کی عدم اعتنائی کے نتیجے میں یہ سہولت عمل دستور میں غائب ہو جاتی ہے۔ اردو کی اختیاری مضمون کی نوعیت کو جبری طریقوں سے یکسر ختم کر دیا جاتا ہے۔ سرکاری ضوابط میں اردو کو چھوڑ کر دوسری زبانوں کو لازمی بنا دینا یا پھر اردو کو زیادہ مفید یا زیادہ مقبول مضمون سے بریکٹ کر دینا یا سرکاری زبان کے علاوہ دوسری زبان کے ذریعہ نہ پڑھانے کے لیے پابند کرنا یا صرف انگریزی میڈیم سے پڑھانے کا پابند کرنا ایسے ہی جبری طریقہ کار ہیں۔ اس سلسلے میں دہلی کی مثال دی جاسکتی ہے۔ دلی سرکار نے ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی کو لازمی قرار دیا ہے۔ یعنی لسانی اقلیتی زبان کو لازمی درجہ سے خارج کر دیا ہے۔ یوپی کے پرائمری اسکولوں میں ہندی اور سنسکرت لازمی زبان ہے۔ اختیاری زبانوں کی آئینی فہرست کافی طویل ہے۔ کل ملا کر اردو کے لیے جگہ نہایت تنگ اور محدود ہے۔

تفریق کی نوعیت کے ضابطے اسکول ایگزامینیشن بورڈس بھی لاگو کرتے رہے ہیں۔ یہ بورڈ سکنڈری اور ہائر سکنڈری اسکولوں کے امتحانات صوبہ کی صرف سرکاری یا انگریزی زبان میں ہی امتحان دینے کی پابندی عائد کر دیتے ہیں۔ یعنی اردو میڈیم سے امتحان دینا خارج از بحث

ہوجاتا ہے۔ مسلم اقلیتی ادارے بھی سرکاری نصابی ضابطوں کے پابند ہیں۔ یہ اسکول بھی سرکاری نصاب کے مطابق ہی زبان کی تدریس کو اختیاری یا لازمی درجہ میں رکھ سکتے ہیں۔ والدین کی خواہش یا بچوں کی پسند کے مطابق اردو پڑھنے کی کوئی گنجائش ان اداروں میں بھی باقی نہیں رہ جاتی۔

لسانی اور مذہبی اقلیت کے نام پر قائم کیے گئے تعلیمی اداروں میں بھی اردو کی حالت قابل تحسین نہیں ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ ان اداروں کا اصل مقصد اکثر حالات میں تعلیم کا فروغ ہے، اردو کا فروغ نہیں تاوقتیکہ یہ پوری طرح منافع بخش نہ ہو۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ ادارے بھی سرکاری نصاب میں عائد شرائط سے بندھے ہیں۔ اپنی مرضی سے یہ اردو کو لازمی یا اختیاری مضمون نہیں بنا سکتے۔ قانون نے تو لسانی آزادی، ثقافتی خودمختاری اور مساوی مواقع دیے ہیں مگر میدان عمل میں ان کی صورت حال مختلف ہے۔ اہل اردو محض ابتدائی سطح پر ذریعہ تعلیم اور ثانوی سطح پر اردو کو پہلی زبان کی صورت میں سہ لسانی فارمولہ میں شامل کرنے کی خواہش پر اکتفا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ صوبائی زبان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اردو کو بحیثیت مادری زبان استعمال میں لانے کے متمنی ہیں اور یہ حقوق دستوری ہیں مگر ہندی خطّوں میں کم سے کم زیر عمل ہیں۔

اردو کو استعمال سے خارج کرنے کے مزاج کی مظہر ایک تازہ مثال بھی توجہ طلب ہے۔ اردو اور فارسی کی بہت سی اصطلاحات پولیس محکمہ میں طویل عرصہ سے استعمال ہوتی رہی ہیں۔ حال ہی میں دلی ہائی کورٹ میں ایک PIL کے ذریعہ ان اصطلاحات کو استعمال سے خارج کرنے کی درخواست کی گئی مگر دلّی پولیس نے اس کی مخالفت کی۔ دوسری طرف ہریانہ کے ڈی جی پی نے 2005 میں ہدایت جاری کرکے مذکورہ اصطلاحات کی جگہ متبادل ہندی الفاظ استعمال کرنے کے لیے کہا۔ ہریانہ کے ہی ضلع کی سطح کے ججوں نے ان اصطلاحات کے نہ سمجھ پانے کی شکایت کی۔ 2015 میں بھوانی کے ڈسٹرکٹ جج نے ایس پی کو ہدایت دی کہ وہ ان اصطلاحات کی جگہ ہندی یا انگریزی کے متبادل زیر استعمال لائیں۔ ہریانہ کے ہوم سکریٹری نے ہندی الفاظ اپنانے کی کوشش کو سراہا اور ساتھ ہی اردو اصطلاحات کو خارج از استعمال کرنے کی ہدایت بھی کی۔

غیر ہندی صوبوں میں اردو

جنوبی ہندوستان میں اردو کی حیثیت کچھ حد تک مختلف ہے۔ ان صوبوں میں علاقائی زبان کے ساتھ انگریزی اور ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں ہندی اقلیتی زبان ہے پھر بھی غیر ہندی اقلیتی زبان کو جگہ ملنا دقت طلب ہے۔ مگر ہندی صوبوں کے مقابلے میں کرناٹک اور مہاراشٹر وغیرہ میں اردو کی حالت قدرے بہتر ہے۔ مثلاً مہاراشٹر کی دکنی اردو کے اکثریتی خطوں میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ مالیگاؤں ایسا ہی ایک خطّہ ہے جہاں میونسپل کارپوریشن کے کام کاج کی زبان دکنی اردو ہے، اردو اسکولوں میں طلبا کی پہلی زبان ہے۔ کرناٹک میں کسی تعلقہ میں اقلیتی زبان کی آبادی کا تناسب 15 فیصد سے زیادہ ہونے کی صورت میں اس تعلقہ میں درخواستیں اقلیتی زبان میں (1972) منظور کیے جانے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ پھر بھی جنوبی ہند میں بھی ہندی کا پلڑا بھاری ہے۔ کیونکہ یہ مرکز کی سرکاری زبان ہے۔ بول چال میں ہندوستانی کا چلن ہے۔ عام لوگ اردو ہندی میں تفریق نہیں کر پاتے۔ اس خطے کی ہندی پر سنسکرت کا غلبہ کم سے کم ہے۔

مجموعی اعتبار سے ہندوستان میں اردو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے کافی حد تک محروم ہے۔ اسے امتحان میں بھی اتفاق سے استعمال کیے جانے کا حق ہے۔ اردو میں نصابی کتابوں کا معیار بھی غیر تسلی بخش سمجھا جاتا ہے۔ مختلف مضامین کے لیے درسی کتابیں بھی کم سے کم دستیاب ہیں۔ سائنس اور سماجی علوم میں کتابوں کے انتخاب کی گنجائش کم و بیش ناپید ہے۔ ٹکنالوجی اور پیشہ ورانہ مضامین ابھی بھی توجہ سے محروم ہیں۔ بنیادی تصنیفات اور ڈگری کی سطح کی کتابوں کا فقدان ہے۔ نصابی اور اضافی نصاب سے متعلق مواد کی مانگ بھی بازار میں کم ہو رہی ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی جیسے ادارے بھی بنیادی اور اعلیٰ نصابی تعلیمی مواد اردو میں فراہم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ یہاں اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے تعلیمی مواد کو استعمال کرنے پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ان اداروں میں اردو میڈیم طلبا کو اردو سے نابلد اساتذہ بھی درس و تدریس کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔

جدید دور میں تعلیم بھی تاجرانہ روش و ماحول کا شکار ہو رہی ہے۔ تعلیم تجارتی شے بنتی جا رہی

ہے۔روزگار کی دنیا میں اردو کی مانگ روبہ زوال ہے۔سرکاری کام کاج غیر اردو زبانوں میں ہوتا ہے۔نجی صنعتوں اور تجارتی اداروں میں اردو کا استعمال صفر ہے۔کل ملا کر روزگار کے لیے اردو کی ضرورت برائے نام باقی رہ گئی ہے۔قانونی اور انتظامی سرپرستی کا پہلو انتخابی سیاست کا محتاج ہے۔انتخابی سیاست میں وزن تعداد کو حاصل ہے جبکہ اردو اقلیت کی زبان ہے۔غیر اردو داں بالخصوص اہل ہندی کا اردو داں طبقہ پر تعدادی غلبہ ہے۔ مکتب اور مدرسہ ہی اردو کا سہارا نظر آتے ہیں۔اعلیٰ تعلیمی اداروں کے لیے طلبا فراہم کرنے کی اساس منتشر ہو رہی ہے۔اردو ثقافت کی زبان ہے۔ذوق وشوق کا اچھا وسیلہ ہے۔اب زبان کے لیے رغبت نہ کہ روزی و روزگار کی ضرورت اردو کی طرف مائل کرتی ہے۔ضرورتوں یعنی بازار کی دنیا میں بے وزنی کی کیفیت نے اردو کی موزونیت کو گہن لگا دیا ہے۔بہر حال ایک زمانہ اردو کا مقروض ہے۔اس قرض کی ادائیگی کا احساس اور شعور ہی اردو کو نئی روشنی اور جلا دینے کا سبب بن سکتا ہے۔خوشی کا امر یہ ہے کہ یہ شعور تا حال زندہ ہے اور روبہ عمل ہے۔مگر اہم سوال جو توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ اردو کی موزونیت میں کیسے اضافہ کیا جائے۔موجودہ دور میں سودمند موزونیت کے بغیر زبان کا مؤثر انداز میں زندہ رہنا ایک نہایت مشکل امر ہے۔

دوسرا باب

انتظامیہ اور عدلیاتی و نیم عدلیاتی اداروں میں اردو کی معنویت

اردو اور اقلیتی مسائل سے متعلق نظیری قوانین

مشتاق احمد

آئین ہند کے فہرست بند آٹھ میں اور زبانوں کے ساتھ اردو کا بھی ذکر ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اردو ہندوستان میں پیدا ہوئی اور اس کے فروغ میں مسلم اور غیر مسلم سب نے حصہ لیا۔ ماضی بعید میں اردو سرکاری اور عدالتی زبان رہ چکی ہے۔ پرانے دستاویز اردو میں ہیں اور آج بھی ہندی یا انگریزی میں ترجمہ کرانے کے لیے اردو مترجم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اردو کے پرانے دستاویز ہر اردو جاننے والا نہیں پڑھ سکتا بلکہ اس طرح کے کاغذات پڑھنے کے لیے ایک خاص قسم کی مہارت کی ضرورت پڑتی ہے اور اس طرح کے ماہرین نچلی عدالتوں میں مل جاتے ہیں۔ آج بھی بہار میں دعویٰ، جواب دعویٰ اور بیان تحریری وغیرہ اگرچہ ہندی رسم الخط میں لکھے جاتے ہیں لیکن اردو کے ہوتے ہیں۔ مثلاً مدعیان، مذکور، حسب ذیل، عرض پرداز ہیں۔ راجدھانی دلی میں آج بھی دلی پولیس اردو کے الفاظ ایف آئی آر اور تفتیش میں استعمال کرتی ہے مثلاً زخمی کے لیے مجروح اور سپردگی، روانہ اور نالش جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ دستی لفظ تو زیریں عدالت،

ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک میں استعمال ہوتا ہے۔نوٹس تو فریق کو عدالت کی طرف سے جاتا ہے ڈاک کے ذریعہ یا عدالت کا اہلکار نوٹس لے کر مقدمہ کے فریق پر اس نوٹس کی تعمیل کراتا ہے لیکن فریق کا مخالف اگر عدالت سے خود نوٹس لے کر دوسرے فریق پر اس کی تعمیل کرانا چاہتا ہے تو اسے ''دستی نوٹس'' کہتے ہیں۔الغرض اردو کے الفاظ آج بھی عدالتوں میں بہ کثرت استعمال ہوتے ہیں اور 'وکالت نامہ' پورے ہندوستان میں استعمال ہوتا ہے۔سرکاری انتظامی سطح پر اگر چہ اردو کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے لیکن اردو کی قانونی اور آئینی حیثیت برقرار ہے۔صوبائی پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں اردو کا پرچہ ہوتا ہے۔یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں اردو کے دو پرچے ہیں اور امتحان لکھنے کا ذریعہ بھی۔سول سروس میں بہت سے لوگ صرف اردو کی وجہ سے کامیاب ہوئے ہیں۔جناب سید محمد اشرف انکم ٹیکس افسر جو اردو کے بہت بڑے ادیب ہیں اور راقم کے علی گڑھ میں ہمعصر رہ چکے ہیں، مرحوم پیغام آفاقی بہت بڑے شاعر، ادیب اور ناول نگار اور راقم کے ہم وطن اور علی گڑھ میں ہمعصر، جناب عامر سبحانی صاحب جو فی الحال پٹنہ میں ہوم سکریٹری ہیں۔آپ کا تعلق سیوان ضلع کے ایک گاؤں سے ہے اور آپ نے فارسی لے کر آئی۔اے۔ایس میں ٹاپ کیا تھا۔کشمیر کے شاہ فیصل نے بھی اردو کا پرچہ لے کر آئی۔اے۔ایس ٹاپ کیا تھا۔اس طرح کے اور بہت سارے نام ہیں۔مرکزی سول سروسز میں آج بھی اردو کی اہمیت ہے۔ہندوستانی زبانوں کے پرچہ میں اردو شامل ہے اور اختیاری مضامین میں اردو کے دو پرچے ہیں جن کا تعلق اردو ادب سے ہے۔یہ سب لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اردو آج بھی روزگار سے جڑی ہے۔لیکن اعلیٰ درجہ کے روزگار سے مسلم نوجوانوں کو اور خاص کر کے مدارس کے طلبا کو اردو سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔خرد برد کے باوجود جس طرح سے اوقافی نظام اپنی داخلی اور عملی قوت کی بنیاد پر قائم ہے اسی طرح سے سوتیلا برتاؤ اور امتیازی سلوک کے باوجود اردو اپنی داخلی قوت کی بنیاد پر قائم ودائم ہے۔اگر اردو کی پرانی بستیاں اجڑ رہی ہیں تو نئی بستیاں وجود میں بھی آرہی ہیں لیکن ایسا لکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اردو کی بقا اور فروغ کے لیے کوشش نہ کریں۔دلّی اور بہت سے صوبوں کے سرکاری اسکولوں سے اردو ختم کی جارہی ہے۔اس طرف محبان اردو کو متوجہ ہونا چاہیے۔

اردو کا مسئلہ اور نظیری قانون

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ نظیری قانون کیا ہوتا ہے۔ موٹے طور پر قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں۔ قانون سازی کے ذریعے بنایا گیا قانون اور نظیری قانون یعنی ہائی کورٹ کا فیصلہ اس صوبہ کے لیے جس میں ہائی کورٹ موجود ہے قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور زیریں عدالتیں بغیر چوں چرا اس پر عمل کرتی ہیں۔ اسی طرح سے ہندوستانی سپریم کورٹ کا ہر فیصلہ آئین ہند کے آرٹیکل 141 کے تحت پورے ملک کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے جس پر زیریں عدالتیں بشمول ہائی کورٹ بغیر لیت ولعل کے عمل کرتی ہیں۔ یوں تو اردو کے تعلق سے مختلف ہائی کورٹوں نے بہت سے چھوٹے موٹے فیصلے صادر فرمائے ہیں لیکن اس مضمون میں سپریم کورٹ کے کچھ فیصلوں کا ذکر کروں گا۔

جوڈیشری سے اردو کا اخراج

2003 سے پہلے اتر پردیش اور اتر انچل اب اتر اکھنڈ کے جوڈیشری کے امتحانات میں اردو کا ایک پیپر ہوا کرتا تھا جسے ختم کر دیا گیا تھا۔ اس وقت کے اتر اکھنڈ کے کچھ وکیلوں نے رٹ پٹیشن سول نمبر 362 بابت 2003 اور انجمن ترقی اردو ہند نے رٹ پٹیشن سول نمبر 263 بابت 2003 سپریم کورٹ میں دائر کر کے اردو کے خلاف اس ناانصافی کو چیلنج کیا۔ اس وقت انجمن کے سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم صاحب تھے۔ راقم الحروف نے دونوں مقدمات دائر بھی کیے اور بحث بھی کی۔ دونوں صوبوں کی طرف سے جوابی حلف نامے بھی داخل کیے گئے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ درخواست دہندہ یعنی انجمن ترقی اردو ہند اور وکلا اس سلسلے میں صوبائی حکومت سے رابطہ کریں اور عرضداشت پیش کریں۔ صوبائی حکومت کو حکم دیا کہ وہ اس پر فیصلہ لے۔ انجمن کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ ہم اردو کے سلسلے میں حکومت اور حکومتی عملہ کی شکایت کرتے ہیں لیکن اردو کے وہ ادارے جو ہماری تحویل میں اور ہمارے زیر انتظام ہیں ان کے درون خانہ کیا ہو رہا ہے اس کی کوئی فکر نہیں۔ انجمن ایک تاریخی ادارہ ہے جو اردو کی خدمت اور ترقی کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اتر انچل کے جن مسلم وکیلوں نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کیا تھا ان کی بھی ذمہ داری تھی حکومت سے رجوع کرنے کی لیکن چونکہ جوڈیشری کے امتحان میں بیٹھنے کی ان کی عمر ختم

ہوگئی اس لیے وہ خاموش ہوگئے لیکن انجمن ترقی اردو کے ساتھ کوئی ایسی مجبوری نہ تب تھی اور نہ اب ہے۔

سپریم کورٹ کا دوسرا تاریخی فیصلہ

1951 میں یوپی قانون ساز اسمبلی نے ایک قانون پاس کر کے ہندی کو سرکاری دفتری (Official) زبان بنادیا۔ 7/اپریل 1982 کی حکومت نے ایک آرڈیننس کے ذریعے کچھ مقاصد کے لیے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا، 1983 میں یہ آرڈیننس باضابطہ قانون بن گیا۔ ہندی ساہتیہ سمیتی کے کچھ متعصب لوگوں نے اس قانون کو الہ آباد ہائی کورٹ لکھنؤ بینچ میں چیلنج کر دیا جسے ڈویژن بینچ نے خارج کر دیا۔ 7/اکتوبر 1989 کو اتر پردیش سرکاری زبان ایکٹ 1951 میں ترمیم کر کے باضابطہ اردو کو ہندی کے ساتھ ساتھ سات مقاصد کے لیے دوسری زبان کا درجہ دیا گیا۔ اردو کے حاسدوں سے یہ بھی برداشت نہیں ہوا اور اتر پردیش ہندی ساہتیہ سمیلن نے رٹ پٹیشن دائر کر کے اس ترمیمی ایکٹ کو الہ آباد ہائی کورٹ میں اس بنیاد پر چیلنج کیا کہ جب ہندی کو پورے اتر پردیش میں سرکاری زبان بنا دیا گیا ہے تو اردو دوسری سرکاری زبان نہیں ہوسکتی کیونکہ ایسا کرنا آئین ہند کے آرٹیکل 345 کے خلاف ہے۔ ڈویژن بینچ کے جسٹس ایس این سہائے نے اردو کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے لکھا کہ مذکورہ ترمیمی قانون جس کے ذریعے یوپی میں کچھ مقاصد کے لیے اردو کو سرکاری دفتری زبان بنایا گیا ہے وہ غیر آئینی ہے لیکن انھوں نے یہ بھی لکھا کہ مستقبل میں صوبائی حکومت اردو کے تعلق سے آئین ہند کے آرٹیکل 345 اور 347 کے مطابق قانون بنا سکتی ہے۔ بینچ کے دوسرے جج جسٹس ڈی کے ترویدی نے اردو کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے لکھا کہ مذکورہ ترمیمی قانون آئین ہند کے خلاف نہیں ہے اور یہ کہ ہندی کے ساتھ ساتھ اردو کو یا کسی اور زبان کو سرکاری زبان بنایا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہ فیصلہ اختلافی ہوگیا اس لیے اسے تیسرے جج جسٹس برجیش کمار کے پاس بھیجا گیا اور انھوں نے بھی اردو کے حق میں فیصلہ سنایا۔ الہ آباد کے اس فیصلے کے خلاف ہندی ساہتیہ سمیلن نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دیا۔ پہلے دو ججوں کے بینچ نے سنا۔ پھر تین ججوں کے بینچ نے سنا اور آخر میں مسئلہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے یہ تاریخی مقدمہ پانچ ججوں کے بینچ کے سامنے چلا گیا۔

سپریم کورٹ کی آئینی بینچ نے اپنا فیصلہ 4 ستمبر 2014 کو صادر فرمایا۔ آئینی بینچ میں اس وقت کے چیف جسٹس آر ایم لودھا، جسٹس دیپک مشرا، جسٹس مدن، بی لوکور، جسٹس کورین جوزف اور جسٹس ایس اے بوبڈے تھے۔ آئینی بینچ نے اپنے عالمانہ فیصلے کے آخر میں لکھا کہ آرٹیکل 345 میں اس بات کا التزام ہے کہ ہندی کے ساتھ دوسری زبان یا زبانوں کو بھی صوبہ میں سرکاری زبان کا درجہ دیا جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زبان یا زبانیں اس صوبہ میں استعمال میں ہوں۔ سپریم کورٹ کے اس تاریخی فیصلے کی رو سے یوپی میں آج بھی اردو دوسری سرکاری زبان ہے اور رہے گی جب تک کہ ترمیم کے ذریعے حکومت اسے ختم نہ کردے اور اسی فیصلے سے ایک بات اور واضح ہوگئی کہ کسی بھی صوبہ میں اگر اردو استعمال میں ہے تو صوبائی حکومت اسے سرکاری زبان کا درجہ دے سکتی ہے۔

سپریم کورٹ کا حالیہ فیصلہ

اردو کے تعلق سے سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ 13/اپریل 2017 کو آیا ہے جس کی رو سے امیدوار اب آئندہ سال سے میڈیکل انٹرینس امتحان این ای ای ٹی (نیٹ) اردو میں بھی دے سکتے ہیں۔ سپریم کورٹ نے مرکز اور سی بی ایس سی کو اردو کو شامل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ فیصلہ اسٹوڈنٹ اسلامک آرگنائزیشن کی عرضی پر آیا ہے۔ اردو کو نیٹ سے خارج کرنے کے پیچھے بھی تعصب اور حسد کا عنصر کارفرما تھا۔ اردو ہندوستان میں بولی جانے والی چھٹی سب سے بڑی زبان ہے۔ اردو سے کم بولی جانے والی زبانوں میں گجراتی، کنڑ، اڑیا اور آسامی زبانیں ہیں جو نیٹ امتحان کے میڈیم میں شامل ہیں۔ لیکن اردو ہندوستان میں چھٹی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہونے کے باوجود بھی نیٹ امتحان میں شامل نہیں کی گئی۔ یہ کام تو انجمن ترقی اردو ہند کو کرنا چاہیے تھا لیکن اردو کی بے لوث خدمت کر کے ایس آئی او نے بازی مار لی۔ اوپر کے فیصلوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جہاں بھی اردو کے ساتھ ناانصافی ہو اس کو حکومتی، انتظامی یا عدالتی سطح پر اٹھایا جائے اور کامیابی کے ساتھ ساتھ ناکامی کے لیے بھی تیار رہیں۔ ضرورت ہے اردو کے لیے بے لوث کام کرنے والوں کی۔ جب میں نے ڈاکٹر ارتضی کریم صاحب کو بتایا کہ سپریم کورٹ کے کچھ غیر مسلم وکلا اردو پڑھنا چاہتے ہیں تو انھوں نے وعدہ کیا کہ کونسل کی طرف سے وہ اردو

پڑھانے کے لیے استاد کا انتظام کریں گے۔ یہی بات میں نے پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب سے کہی تو انھوں نے بھی وعدہ کیا کہ وہ خود سپریم کورٹ اپنے خرچ پر جا کر اردو پڑھائیں گے۔ اردو کے بہت سے ایسے متوالے ہیں جو خاموشی سے اردو پڑھا کر اردو رسم الخط کی حفاظت کر رہے ہیں اور دوسری طرف اردو کے مافیا ہیں جو اندرون ملک اور بیرون ملک مشاعرے کرا کر دولت جمع کر رہے ہیں۔

آئین ہند کا آرٹیکل 30 اور نظیری قانون

آئین ہند کا آرٹیکل 30 لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور انھیں اپنی پسند کے مطابق چلانے کا بنیادی حق عطا کرتا ہے۔ اس آرٹیکل کے تعلق سے ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ کے بے شمار فیصلے آئے ہیں، جو نظیری قانون بن گئے ہیں۔ سپریم کورٹ کے جسٹس ایچ آر کھنہ کے پہلے کے فیصلوں کو پڑھنے سے اور خود ان کے فیصلوں کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سپریم کورٹ نے آرٹیکل 30 کو بہت اہمیت دی اور اس آرٹیکل کے الفاظ پر سختی سے عمل کیا۔ سپریم کورٹ کے کچھ فیصلوں میں آرٹیکل 30 کو 'ہندوستان کا ضمیر' اور 'آرٹیکل آف فیتھ' (Article of Faith) کہا گیا لیکن بعد کے فیصلوں میں اس آرٹیکل کے اثر کو نرم کر دیا گیا اور اس آرٹیکل پر اتنے متضاد فیصلے آئے ہیں کہ عوام کے دماغ میں کنفیوژن پیدا ہو گیا۔ آج کی صورت حال یہ ہے کہ وکلا بھی کنفیوژن کا شکار ہیں اور اگر ان کو نظیری قانون کی مدد سے آرٹیکل 30 کو سمجھنے کے لیے کم سے کم تین سو صفحات پڑھنے پڑیں گے۔ 2002 میں ٹی ایم اے پائی بنام حکومت کرناٹک میں گیارہ ججوں کا ایک طویل فیصلہ آیا جس میں سپریم کورٹ نے اپنے سابقہ فیصلوں کا جائزہ لیا۔ اس فیصلے کے نکات کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس تاریخی فیصلے نے بہت سے شک وشبہات پیدا کر دیے۔ یہاں یہ قابل ذکر ہے کہ کئی سالوں کی بحث اور سنوائی کے بعد یہ فیصلہ آیا تھا۔ حکومت اور حکومتی عملہ اس فیصلے کا کچھ اور مطلب نکالتے تھے اور اقلیتی تعلیمی اداروں کے انتظامیہ کچھ اور نتیجہ اخذ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آرٹیکل 30 کے تعلق سے افراتفری پیدا ہو گئی اور اس فیصلے کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے سپریم کورٹ کا ایک آئینی بینچ قائم ہوا جس نے اسلامک اکیڈمی بنام یونین آف انڈیا میں اپنا فیصلہ صادر فرمایا اور ٹی ایم اے پائی فیصلے میں جہاں

جہاں جھول اور کنفیوژن تھا اسے دور کرنے کی کوشش کی۔لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ معاملہ اور الجھ گیا۔ اگر کچھ کنفیوژن دور ہوئے تو کچھ نئے پیدا ہو گئے اور اقلیتی اداروں کی انتظامیہ اور حکومتی عملہ کے لیے پھر دشواری پیدا ہوگئی اور پھر یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک دوسرا بینچ قائم ہو جو ہمیشہ کے لیے آرٹیکل 30 کی تفسیر اور تشریح میں جو شبہات پیدا ہو گئے ہیں ان کو دور کیا جا سکے۔

آئینی بینچ کا تیسرا فیصلہ پی اے انعامدار کے مقدمہ میں آیا لیکن بگڑا ہوا معاملہ کچھ حد تک ہی ٹھیک ہو پایا اور کچھ معاملوں میں کنفیوژن برقرار ہے۔سوال یہ ہے کہ آرٹیکل 30 کے سلسلے میں ہی ایسا کیوں ہوا۔آئین ہند کے دوسرے آرٹیکل کے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوا۔اس کی ایک ہی وجہ ہے متعصّبانہ رویہ۔ایک سوال آئین ہند کے نافذ ہونے کے بعد سے اٹھتا رہا ہے کہ اقلیتی تعلیمی اداروں میں اقلیتی اور غیر اقلیتی طلبا کا کیا تناسب ہونا چاہیے۔1958 میں کیرالہ ایجوکیشن بل کے فیصلے میں سپریم کورٹ کی بڑی بینچ نے ایک بہت طویل فیصلہ سنایا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اقلیتی تعلیمی اداروں میں غیر اقلیتی طلبا کی تعداد چھڑکاؤ (Sprinkling of non minority) کے طور پر ہونی چاہیے۔یہ فیصلہ بہت مناسب تھا کیونکہ اس صورت میں اقلیتی ادارے کا اقلیتی کردار محفوظ رہے گا۔لیکن 1992 میں سینٹ اسٹیفن کالج بنام دہلی یونیورسٹی مقدمہ میں سپریم کورٹ کے آئینی بینچ یعنی پانچ ججوں کے بینچ کا فیصلہ آیا جس نے یہ پنچایتی فیصلہ سنایا کہ امداد یافتہ اقلیتی تعلیمی اداروں میں اقلیتی اور غیر اقلیتی یعنی اکثریتی طلبا کا تناسب برابر ہونا چاہیے یعنی پچاس پچاس فیصد لیکن گیارہ ججوں کے ٹی ایم اے پائی میں یہ فیصلہ بدل گیا اور ٹی ایم اے پائی فیصلے میں کہا گیا کہ ایک امداد یافتہ اقلیتی تعلیمی ادارے میں اکثریتی طلبا کی تعداد کیا ہوگی اس کا فیصلہ حکومت تعلیمی ادارے کے کورسز، وہاں کی ضروریات اور آس پاس کی آبادی وغیرہ کی بنیاد پر کرے گی۔واضح ہو کہ اب تک تناسب کا فیصلہ کرنے کا اختیار اقلیتی تعلیمی ادارے کے انتظامیہ یا اقلیتی گروہ کو تھا لیکن 2002 کے بعد یہ اختیار سپریم کورٹ نے حکومت کو دے دیا لیکن اس بینچ کی جج جسٹس روما پال اور جسٹس قادری نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے الگ فیصلہ لکھا۔

امداد یافتہ اور غیر امداد یافتہ تعلیمی اقلیتی ادارے

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلوں کی روشنی میں غیر امداد یافتہ اقلیتی

تعلیمی اداروں کو زیادہ آزادی حاصل ہے اور ان پر کم شرائط عائد ہیں۔لیکن آئین ہند کے آرٹیکل29 کی رو سے کسی بھی حکومت سے امداد یافتہ تعلیمی ادارے میں مذہب،نسل اور زبان میں سے کسی ایک کی بنیاد پر ہندوستان کے کسی بھی شہری کو داخلہ سے نہیں روکا جائے گا۔ایک امداد یافتہ تعلیمی ادارے میں غیر اقلیتی طلبا کی تعداد اتنی نہیں ہونی چاہیے کہ اس اقلیتی ادارے کا ڈھانچہ یا کردار ہی مجروح ہو جائے۔عدالتی فیصلوں میں یہ نظیری قانون قائم ہو چکا ہے کہ آرٹیکل30 کے تحت لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو جو اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور انتظام کرنے کا بنیادی حق ملا ہے اس کا مطلب بدانتظامی نہیں ہے۔اس لیے اقلیتی تعلیمی اداروں کا انتظام یعنی استادوں کی بحالی،ان کی تنخواہ اور دیگر سہولیات،طلبا کا داخلہ،ان سے فیس کی وصولی شفاف،ایماندارانہ اور مناسب ہونی چاہیے۔حکومت یا یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے جو تعلیم کا معیار قائم کیا ہے اسے قائم رکھنا ہے۔انتظامی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ استادوں کے ساتھ ناانصافی ہو،طلبا سے زیادہ فیس لی جائے اور حفظان صحت کا انتظام نہ کیا جائے اور ان امور کے تعلق سے حکومت قانون بنا سکتی ہے۔لیکن یہ قانون مناسب ہونا چاہیے اور اقلیتی اداروں کے مفاد میں ہونا چاہیے۔اگر اس قانون سے ادارہ کے داخلی انتظامی امور میں بے جا مداخلت ہوتی ہے تو وہ قانون یا ضابطہ آرٹیکل30 کے تحت غیر آئینی اور باطل قرار پائے گا۔اقلیتی تعلیمی ادارہ میں استاد کی بحالی کے لیے حکومت کم سے کم تعلیمی صلاحیت وغیرہ متعین کر سکتی ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتی یا اپنے تعلیمی ایکٹ میں ایسا التزام نہیں کر سکتی کہ بغیر حکومت کی مرضی یا اجازت کے استاد یا پرنسپل کی بحالی نہیں ہو سکتی۔اگر ایسا کرتی ہے وہ کالعدم قرار پائے گا۔کیونکہ سپریم کورٹ کے فیصلوں کی رو سے اقلیتی طبقہ کے لوگ اپنے ادارہ کو کس سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں۔یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ استاد اور پرنسپل کی تقرری میں ان کو مکمل آزادی نہ ہو۔استاد کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا حق انتظامیہ کو ہے اس میں ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ مداخلت نہیں کر سکتا لیکن تادیبی کارروائی انتقامی نہیں ہونی چاہیے۔

جامعہ ہمدرد، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

آرٹیکل30 سے نکلے ہوئے نظیری قوانین کی بات اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب

تک جامعہ ہمدرد (ہمدرد یونیورسٹی)، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بات نہ کی جائے۔ ہمدرد یونیورسٹی اس معاملے میں بہت خوش قسمت ثابت ہوئی ہے۔ بی جے پی کے دورحکومت میں جب ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی ایچ آر ڈی منسٹر تھے تو سراج حسین صاحب ہمدرد یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور جناب سید حامد صاحب چانسلر تھے۔ان لوگوں نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے پچاس فیصد اقلیتی اور پچاس فیصد غیر اقلیتی طلبا کی شرط پر ہمدرد یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ منوالیا۔ یہ آفر اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیے بھی تھا لیکن اس وقت کے وائس چانسلر نسیم احمد صاحب نے گھاٹے کا سودا سمجھ کر انکار کر دیا تھا۔ جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر ڈاکٹر جی این قاضی اور رجسٹرار ڈاکٹر فردوس وانی نے وقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جامعہ ہمدرد کو قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات سے قانونی طور پر جامعہ ہمدرد کو جسٹس سہیل اعجاز صدیقی چیئرمین کمیشن ہذا سے اقلیتی ادارہ تسلیم کروالیا۔ پہلے جو یہ اقلیتی ادارہ تھا وہ ایک انتظامی حکم نامہ کے تحت تھا جس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی۔آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے زیادہ ایم بی بی ایس مسلم ڈاکٹر ہر سال جامعہ ہمدرد سے نکل رہے ہیں کیونکہ جامعہ ہمدرد میں ریزرویشن ہے اور علی گڑھ میں نہیں ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قانون کے ذریعے یہ سینٹرل یونیورسٹی وجود میں آئی۔ اگرچہ یہ ایک اقلیتی ادارہ تھا لیکن جامعہ ملیہ اسلامیہ ایکٹ 1988 میں اس بابت کچھ نہیں کہا گیا۔اس لیے یہ یونیورسٹی ایک عام سیکولر یونیورسٹی تھی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کی بحالی کی قانونی لڑائی شروع ہوئی اور آخر کار قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو بھی اقلیتی ادارہ کا سرٹیفکٹ عطا کر دیا۔لیکن اس سرٹیفکٹ کو دہلی ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا ہے اور مستقبل قریب میں فیصلہ آنے والا ہے۔ واضح ہو کہ آج کی تاریخ میں ایک تعلیمی ادارہ کو اقلیتی ادارہ تسلیم کرانے کا قانونی طریقہ یہ ہے کہ صوبائی حکومت کو اس سلسلے میں درخواست دی جائے اور اگر وہ درخواست خارج کر دے تو قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات سے رجوع کیا جائے۔ اگر وہ بھی نہ کرے تو ہائی کورٹ اور آخر میں سپریم کورٹ سے رجوع کیا جائے۔ اگر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا مقدمہ سپریم کورٹ میں زیر التوا نہ ہوتا تو جسٹس صدیقی صاحب مسلم یونیورسٹی کو بھی اقلیتی ادارہ قرار دے چکے ہوتے اور آج جو

سپریم کورٹ میں پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے وہ نہیں اٹھانی پڑتی۔ سپریم کورٹ میں راقم الحروف مسلم یونیورسٹی کا وکیل ہے، اس لیے جو پریشانی ہو رہی ہے اس کا اسے علم ہے۔

مسلم یونیورسٹی اور غلط نظیری قانون

دنیا جانتی ہے اور مسلم یونیورسٹی کے در و دیوار بہ زبان حال کہہ رہے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی سرسید احمد خاں اور مسلمانان ہند کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ پہلے مدرسۃ العلوم، پھر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج اور پھر برٹش پارلیمنٹ کے ذریعے بنائے گئے قانون کے تحت 1920 میں مسلم یونیورسٹی۔ 1920 کے قانون کے تحت ایک کورٹ ہوا کرتا تھا جس کے سارے ممبران مسلمان ہوا کرتے تھے اور یہ کورٹ ہی مسلم یونیورسٹی چلاتا تھا یعنی یونیورسٹی کے پورے داخلی انتظامی امور کورٹ کے ماتحت تھے۔ پھر ایکٹ میں تبدیلی کر کے کہا گیا کہ یونیورسٹی کورٹ کا ممبر کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ایسا قانون بن گیا لیکن یونیورسٹی کورٹ کی تشکیل اور ساخت بدستور قائم رہی۔ پانی اس وقت سر سے اوپر چڑھ گیا جب یونیورسٹی ایکٹ میں ایک دوسری ترمیم کے ذریعے کورٹ کے اختیارات کو سلب کر لیا گیا، کورٹ تو باقی رہا لیکن اس کا کام چند امور میں صرف سفارشی رہ گیا اور یونیورسٹی کا انتظام و انصرام مرکزی حکومت کے نمائندوں کو منتقل ہو گیا۔ یونیورسٹی کو مسلمانوں نے قائم کیا تھا اور اس کا انتظام و انصرام بھی ان کے ہاتھ میں تھا جسے حکومت نے واپس لے لیا جو آرٹیکل 30 کے تحت عطا کیے گئے حقوق کے منافی تھا۔ اس لیے ان ترامیم کو غیر آئینی اور باطل قرار دیے جانے کے لیے جناب عزیز باشا اور ان کے رفقا نے سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سپریم کورٹ نے ایک عجیب فیصلہ دیا۔ سپریم کورٹ کے پانچ ججوں نے مسلم یونیورسٹی کی ارتقائی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ ایم اے او کالج کو مسلمانوں نے قائم کیا تھا، لیکن جہاں تک مسلم یونیورسٹی کا تعلق ہے اسے مسلمان وجود میں نہیں لائے تھے بلکہ مسلم یونیورسٹی برٹش پارلیمنٹ کے ذریعے بنائے گئے قانون یعنی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ 1920 کے ذریعے وجود میں آئی تھی۔ اس ایکٹ کی کچھ دفعات کا حوالہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ کی آئینی بینچ نے یہ بھی کہہ دیا کہ مسلم یونیورسٹی کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھ میں کبھی نہیں رہا۔ آخر میں کہا کہ مسلم یونیورسٹی کو مسلمانوں نے نہ قائم کیا تھا اور نہ کبھی اس کا انصرام ان کے ہاتھوں میں تھا۔ اس لیے آرٹیکل 30 کے تحت یہ

اقلیتی ادارہ نہیں ہے بلکہ ایک عام سیکولر ادارہ ہے،اس لیے ترمیمات جائز اور قانونی ہیں اور یہ کہ مقدمات خارج کیے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ فیصلہ 1967 میں آیا تھا اور چونکہ اس فیصلے کے کچھ سال پہلے یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب علی یاور جنگ صاحب کے ساتھ یونیورسٹی کے طلبا نے بدتمیزی کی تھی اس لیے ملک میں مسلم یونیورسٹی کے خلاف ماحول بن گیا تھا۔

اس فیصلے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں پر قیامت صغریٰ برپا ہوگئی۔ کیونکہ ہندوستانی مسلمانوں سے ان کا دوسرا کعبہ چھین لیا گیا۔اس کے بعد مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کی بحالی کی تحریک شروع ہوئی۔ 1970 میں راقم الحروف نے علی گڑھ میں پی یوسی میں داخلہ لیا تھا۔ اقلیتی کردار کی بحالی کے لیے مسلم یونیورسٹی طلبا یونین نے دہلی کے بوٹ کلب پر مظاہرہ کیا تھا (اس زمانے میں مظاہرے بوٹ کلب پر ہوتے تھے جنتر منتر بعد میں مخصوص کیا گیا)، راقم الحروف اس مظاہرے میں شامل تھا۔ بہرحال مسلمانان ہند کی کوشش بارآور ہوئی اور 1981 میں مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں ترمیم کر کے اندرا گاندھی نے مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو پوری طرح بحال کر دیا، یونیورسٹی چلتی رہی۔

وائس چانسلر جناب نسیم احمد صاحب نے یونیورسٹی کے کچھ اونچے کورسز میں مسلم طلبا کے لیے پچاس فیصد ریزرویشن مقرر کیا۔ اکیڈمک اور ایگزیکٹیو کونسل سے قرارداد پاس ہوئی اور حکومت ہند کی منظوری بھی مل گئی۔ لیکن کچھ غیر مسلم طلبا نے اس ریزرویشن کو اس بنیاد پر الہ آباد ہائی کورٹ میں چیلنج کیا کہ سپریم کورٹ کے عزیز باشا فیصلے کی رو سے مسلم یونیورسٹی اقلیتی ادارہ نہیں ہے، اس لیے مسلم طلبا کے لیے ریزرویشن نہیں ہوسکتا۔ الہ آباد ہائی کورٹ کے سنگل جج نے 1981 کی ترمیمات کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے یہ کہا کہ عزیز باشا فیصلے کی رو سے مسلم یونیورسٹی اقلیتی ادارہ نہیں ہے۔اس لیے مسلم طلبا کے لیے پچاس فیصد کا ریزرویشن غیر آئینی ہے۔اس لیے اسے ختم کیا جاتا ہے۔ یونیورسٹی نے اس فیصلے کے خلاف الہ آباد ہائی کورٹ میں ہی اسپیشل اپیل کی جو خارج ہوگئی۔ڈویژن بینچ نے سنگل جج کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے 1981 کی ان ترامیم کو بھی غیر آئینی قرار دے دیا جس کے تحت مسلم یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ تسلیم کیا گیا تھا۔ راقم الحروف نے یونیورسٹی کے بغیر مانگے یہ قانونی مشورہ دیا تھا کہ چونکہ الہ آباد ہائی کورٹ کا ماحول فرقہ وارانہ ہے اور چونکہ

ہائی کورٹ آرٹیکل 141 کے تحت سپریم کورٹ کے فیصلے کو ماننے پر مجبور ہے۔اس لیے اسپیشل اپیل نہ کر کے سیدھے سپریم کورٹ میں اپیل کی جائے لیکن اس کو نظرانداز کر دیا گیا۔ اس قانونی مشورے کا ذکر جناب جسیم محمد نے اپنی کتاب ''اے ایم یو'' میں کیا ہے اور یہ یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر بھی دستیاب ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں 2006 میں یونیورسٹی نے اپیل دائر کی۔ یونیورسٹی کا ساتھ دیتے ہوئے اس وقت کی کانگریس کی مرکزی حکومت نے بھی اپیل دائر کی۔ یونیورسٹی کی اپیل دو جلدوں میں ہے جبکہ یونین کی اپیل بارہ جلدوں میں۔ 2014 میں مرکز میں بی جے پی کی سرکار آ گئی اور سپریم کورٹ میں زیر سماعت مقدمہ میں اس وقت ایک بحران پیدا ہو گیا جب مرکزی حکومت کی طرف سے سالسٹر جنرل (Solicitor General) نے عدالت کو پچھلے سال (2016) کو یہ بتایا کہ مرکزی حکومت اپنی اپیل واپس لینا چاہتی ہے۔ مرکزی حکومت 2006 میں دائر کی گئی اپیل کو واپس لینے کے لیے حلف نامہ داخل کر چکی ہے جس کا جواب بھی یونیورسٹی کی طرف سے داخل ہو چکا ہے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے جواب الجواب کا انتظار ہے۔اس طرح کے بحران کو راقم الحروف بھانپ چکا تھا اور 2013 میں اردو روزنامہ انقلاب میں اس بابت ایک مضمون لکھا تھا جس میں کہا تھا کہ 2014 کے چناؤ میں ہوسکتا ہے کہ کانگریس اقتدار میں نہ آئے اور آئے بھی تو ایسا سازگار ماحول نہ ملے جو آج حاصل ہے،اس لیے مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے اس تاریخی مقدمہ کی سنوائی موجودہ سیاسی دور اقتدار میں کرالی جائے۔اس بابت وائس چانسلر جناب ضمیر الدین شاہ صاحب سے بھی بات کی۔ اقتدار کی تبدیلی کی وجہ سے یہ مقدمہ خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ 1967 میں جب عزیز باشا مقدمہ میں بحث چل رہی تھی تو مرکزی حکومت نے کہا تھا کہ مسلم یونیورسٹی کو مسلمانوں نے قائم نہیں کیا تھا بلکہ یہ قانون کے ذریعے وجود میں آئی تھی۔ الہ آباد ہائی کورٹ میں اور سپریم کورٹ میں کانگریس کی مرکزی حکومت یہ کہہ رہی تھی کہ مسلم یونیورسٹی 1981 کی ترامیم کی رو سے ایک اقلیتی ادارہ ہے اور یہ کہ اسے مسلمانوں نے قائم کیا تھا اور یہ کہ الہ آباد ہائی کورٹ کے دونوں فیصلے غلط ہیں اور آج بی جے پی کی مرکزی حکومت سپریم کورٹ سے کہہ رہی ہے کہ مسلم یونیورسٹی اقلیتی ادارہ نہیں ہے اور یہ کہ پالیمنٹ کو سپریم کورٹ

کے عزیز باشا فیصلے کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہے وغیرہ۔ انھیں آئینی و قانونی پیچیدگیوں میں مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کا مقدمہ پھنسا ہوا ہے۔ مقدمہ مضبوط اور اچھا ہے لیکن حالات خراب ہیں۔ جس طرح سے موجودہ وائس چانسلر نے مقدمہ کی بہترین پیروی کی آنے والے وائس چانسلر پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور امید ہے کہ وہ بھی اس میں ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے بہترین پیروی کریں گے تاکہ کسی بھی صورت میں ہم یہ مقدمہ جیت جائیں۔

نظیری قانون، طلاق ثلاثہ اور تعدد ازدواج

طلاق ثلاثہ اور تکثیر ازدواج کے آئینی جواز کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے۔ پریوی کونسل سے لے کر اب تک ہائی کورٹوں اور سپریم کورٹ نے قریب قریب طلاق ثلاثہ اور تکثیر ازدواج کو جائز مانا ہے۔ جو نظیری قانون بن گئے ہیں۔ پریوی کونسل کے یہ بہت سارے فیصلے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ قرآن اور حدیث کے مفسرین اور فقہا نے جو بات کہہ دی ہے فیصلہ اسی بنیاد پر ہوگا۔ پریوی کونسل کے سامنے ایک مقدمہ آیا جس میں سوال یہ تھا کہ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کو خورش اور کفالت کا حق ہے یا نہیں۔ 'ہدایہ' جو کہ سنیوں کے قوانین کی کتاب ہے، کے مطابق بیوہ کو خورش کا کوئی حق نہیں ہے۔ امامیہ، جو کہ شیعوں کے قوانین کی کتاب ہے، کے مطابق بیوہ کا کوئی خورش کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو تب بھی حق نہیں ہے۔ جبکہ قرآن کی سورہ البقرہ کی آیت نمبر 240 میں اور حقوق کے ساتھ ایک سال کی کفالت کی بات کہی گئی ہے۔ پریوی کونسل نے قرآن کی آیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اور ہدایہ پر عمل کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا کہ شوہر کی وصیت اور اس کی جائداد میں جو حصہ ہے اس کے علاوہ اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو قانون راجیو گاندھی حکومت سے بنوایا جسے 'مسلم خواتین (طلاق ہونے پر حقوق کا تحفظ) ایکٹ' کہتے ہیں اس میں بھی قرآنی نص کے خلاف یہ کہا گیا کہ مطلقہ صرف عدت کی مدت تک کے لیے خورش کی حقدار ہے۔ تکثیر ازدواج کو بھی نظیری قانون سے تقویت ملتی ہے۔ 1952 کا ممبئی ہائی کورٹ کا ایک بہت تفصیلی فیصلہ آیا جس میں کہا گیا کہ آئین ہند کے باب تین (آرٹیکل 14 مساوات، آرٹیکل 15 عورتوں کے ساتھ نابرابری اور آرٹیکل 21 وقار کے ساتھ زندہ رہنے کا حق) کا اطلاق پرسنل لا پر نہیں ہوتا کیونکہ وہ آرٹیکل 13 کے تحت قانون کے

درجہ میں نہیں آتا اور سپریم کورٹ کا 1980 کا فیصلہ کرشنا سنگھ بنام متھرہ اہر ہے۔اس میں بھی کہا گیا ہے کہ پرسنل لا کو آئین ہند کے باب تین کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا۔اس کے علاوہ بھی کچھ فیصلے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ پرسنل لا میں عدالت مداخلت نہیں کرسکتی۔کیونکہ یہ پالیسی امور کا معاملہ ہے جس پر صرف پارلیمنٹ قانون سازی کر کے سدھار کا کام کرسکتی ہے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اوپر متذکرہ فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ عدالت کو پرسنل لا میں مداخلت کا اختیار نہیں ہے۔یہ کام مقنّنہ کا ہے۔سپریم کورٹ سے رجوع کرنے والی مسلم خواتین کا کہنا ہے کہ طلاق ثلاثہ مسلم عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہے،مسلمان عورت ہونے کی وجہ سے ایسا سلوک ہوتا ہے جبکہ دوسرے مذاہب کی عورتوں کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا ہے، وقار کے ساتھ زندگی گزارنے میں مانع ہے۔اس لیے یہ آئین کے آرٹیکل 14,15,21 کے خلاف ہے۔اس لیے اسے غیر آئینی قرار دے کر ختم کیا جائے۔ایسی باتیں تعدد ازدواج اور حلالہ کے بارے میں بھی کہی گئی ہیں۔بورڈ نے اپنے حلف نامہ میں یہ بھی کہا ہے کہ طلاق ثلاثہ، نکاح حلالہ اور تکثیر ازدواج مذہبی آزادی کے زمرہ میں آتے ہیں جس کی ضمانت آرٹیکل 25 کرتا ہے۔فریقین کی گزارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل چار تنقیحات تجویز کی گئی ہیں۔

1 کیا طلاق ثلاثہ، نکاح حلالہ اور تکثیر ازدواج کو آئین کے آرٹیکل 25(1) کا تحفظ حاصل ہے۔

2 کیا آرٹیکل 25(1) باب تین کے آرٹیکل 14,15,21 کے تابع ہے۔

3 کیا پرسنل لا آرٹیکل 13 میں دی گئی قانون کی تعریف میں شامل ہے۔

4 کیا طلاق ثلاثہ، نکاح حلالہ اور تکثیر ازدواج کے مروجہ چلن بین الاقوامی معاہدات جن میں جنسی مساوات کی بات کہی گئی ہے، ہندوستان کی ذمہ داریوں اور پابندیوں سے مطابقت رکھتے ہیں؟اس طرح سے یہ معاملہ یا مقدمہ شریعت اسلامی بنام آئین ہند ہوگیا ہے۔

جس طرح سورہ البقرہ آیت نمبر 240 کے قرآنی نص کو نظرانداز کرتے ہوئے ہدایہ اور امامیہ میں لکھا ہے کہ مرد کے انتقال کے بعد بیوہ کی کفالت کا حق نہیں ہوتا ہے۔اس طرح سے سورہ البقرہ کی آیت 298 کی اصل روح کو نظرانداز کرتے ہوئے ہمارے قابل احترام فقہا نے تین طلاق کو جائز قرار دیا ہے۔

پرانا نظیری قانون بنام نیا نظیری قانون

اب دیکھنا ہے کہ کیا سپریم کورٹ کرشنا سنگھ بنام متھرہ اہر میں اپنے ہی فیصلہ کو منسوخ کر کے اس کی جگہ نئی نظیر قائم کرے گی۔ متھرہ اہر والا فیصلہ آج بھی پورے ہندوستان کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے جس کے مطابق آئین ہند کا باب تین پرسنل لا کو Touch نہیں کرتا۔ کیا سپریم کورٹ مسلمانوں کے مسلکی جھگڑے میں پڑے گا؟ مسلم پرسنل لا کو آرٹیکل 13 کے تحت قانون مان کر طلاق ثلاثہ اور تکثیر ازدواج کو آئین کے آرٹیکل 14,15,21 کے منافی قرار دیتے ہوئے کیا سپریم کورٹ ان تینوں کو غیر آئینی قرار دے کر ختم کر دے گا یا یہ کہہ کر مداخلت سے انکار کر دے گا کہ پرسنل لا میں اصلاح کا کام مقنّنہ کا ہے۔ 1/مئی 2017 سے سپریم کورٹ کا آئینی بینچ ان مقدمات کی سماعت شروع کرے گا اور فیصلے آنے کے بعد ہی متذکرہ بالا سوالوں کا جواب معلوم ہو سکے گا۔

عدالتوں میں اردو زبان کا استعمال

وی۔ کے۔ مہیشوری

اردو بھاشا یا زبان ایک تہذیب کا نام ہے۔ یہ ایک ایسی زبان یا بولی کا نام ہے جس کا نام زبان پر آتے ہی منھ میں مٹھاس گھلنے لگتی ہے اور دل میں سکون اور محبت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ جو ادب اور سلیقہ اردو الفاظ کی ادائیگی میں ہے وہ کسی دیگر زبان میں مشکل سے ہی ملے گا۔ جس مٹھاس اور ترنم والی مثالی غزلیں، اشعار اور قوالیاں اردو میں موجود ہیں ویسی مماثل غزلیں، گیت یا نظمیہ کلام دیگر زبانوں میں دستیاب نہیں۔ اردو زبان یکتا اور بے نظیر ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ہماری فلم انڈسٹری میں تمام گانے اردو میں ہی لکھے جاتے تھے اور یہ مانا جاتا تھا کہ اردو کے بغیر کوئی گانا لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ آج بھی فلم انڈسٹری میں اردو زبان کا بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک اردو زبان کی بات ہے یہ زبان محض ایک تہذیب کا نام نہیں، یہ تو سلیقہ مندی کی علامت اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے۔

دوستو! میں اپنی بات کروں تو میری پیدائش ایک ایسے علاقہ میں ہوئی جہاں اردو زبان

ہی بولی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے بچپن سے لے کر آج تک اردو زبان کو سمجھنے یا بولنے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ جو الفاظ بچپن سے ہی زبان پر چڑھے ہوں وہ آسانی سے منہ سے نکلتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرے والد تو صرف اردو ہی لکھ، پڑھ اور بول سکتے تھے۔ اس طرح اردو میرے خمیر میں شامل رہی اور مجھے اردو بولنے اور سمجھنے میں بھی ہمیشہ آسانی رہی۔

میں نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب سہارنپور میں وکالت شروع کی تھی تب کچہری کے کام کاج کی زبان اردو ہی تھی اور اس وقت مجھے جن اردو الفاظ و اصطلاحات کا علم ہوا وہ تا ہنوز میرے تحت الشعور میں موجود ہیں۔

عدلیہ میں final hearing کو قطعی، issue کو تنقیح، witness کو گواہ، سمن کرنے کو طلب کرنا، سمن فیس کو طلبانہ، plaintiff کو مدعی، defendant کو مدعا علیہ، parties کو فریقین، complainant کو مستغیث بولا جاتا رہا ہے۔ میرے ذہن میں ابھی بھی ضابطہ دیوانی، ضابطہ فوجداری، جج خفیفہ، مقر، جانب، مبلغ، اجرا، مدت، میعاد، حسب ہدایت، تصدیق وغیرہ جیسے کتنے ہی الفاظ کا استعمال اب بھی ہو رہا ہے۔ میں حسب موقع ان کا استعمال کرتا رہتا ہوں۔ عدلیہ سے وابستہ ہر شخص کو، خواہ اسے اردو آتی ہو یا نہ آتی ہو، ان الفاظ کی جانکاری ضرور ہوتی ہے۔

کچھ عرصہ وکالت کرنے کے بعد میرا اتر پردیش میں بطور منصف تقرر ہو گیا۔ تب منصفی کے امتحان میں 40 نمبر کا اردو کا پرچہ بھی ہوا کرتا تھا۔ اس وقت میں اردو بولتا اور اچھی طرح سمجھتا تو تھا لیکن لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا۔ میں نے بازار سے اردو کا قاعدہ لا کر خود اردو سیکھی اور اردو کے پرچہ میں میں نے 40 میں سے 40 نمبر حاصل کیے۔ میں آج بھی اپنی اس حصولیابی پر فخر محسوس کرتا ہوں۔ منصف بننے کے بعد بھی میرا اردو زبان سے پیار کم نہیں ہوا اور میرے فیصلوں میں اردو کے الفاظ کی بھرمار ہوتی تھی جو میری سبکدوشی تک جاری رہی۔ اس طرح میرا اردو زبان سے لگاؤ ہمیشہ رہا۔ میرے اردو زبان سے پیار اور لگاؤ کی بدولت ہی مجھے اس سیمینار میں شرکت کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے عہدے داران کا اس سیمینار میں مدعو کرنے کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

لیکن دوستو! بات یہیں پر نہیں ختم ہوتی اور نہ پوری ہوتی ہے۔اس سیمینار کا انعقاد نہایت اہمیت کا حامل کار نیک ہے جس کی غرض و غایت اردو کے مزید فروغ کی راہیں تلاش کرنا ہے۔اس بارے میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ پہلے ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو زبان محض کسی مخصوص مذہب، ذات، طبقے یا علاقے سے تعلق رکھنے والوں کی زبان نہیں ہے اور یہ کہ کوئی غیر ملکی زبان نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے ملک کی اپنی زبان ہے۔یہ اسی ملک میں جنمی یعنی معرض وجود میں آئی ہے۔ابھی تک عام لوگوں کی یہی سوچ ہے کہ اردو زبان تو ایک مخصوص مذہب کی زبان ہے اور یہی سوچ اس کے فروغ میں حائل رہی ہے۔جب تک اردو زبان کے بارے میں عام لوگوں کی یہ غلط و بے بنیاد سوچ برقرار رہے گی کہ اردو ایک مخصوص مذہب کی زبان ہے تب تک اس کا فروغ ممکن نہیں ہے۔اس لیے سب سے پہلا اور اہم کام یہ ہے کہ عام لوگوں کے دل و دماغ سے یہ بات نکالی جائے کہ اردو ایک مخصوص مذہب سے تعلق رکھنے والوں کی زبان ہے۔ جس طرح ہندوستان میں اور بہت سی زبانیں ہیں اسی طرح اردو بھی ہندوستانی زبان ہے اور کہیں باہر سے نہیں آئی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ان لوگوں کو یہ باور کرانا ہوگا کہ اردو زبان صدیوں سے بولی جاتی رہی ہے۔یہ زبان ہر ہندوستانی کے دل و دماغ میں رچی بسی ہے۔کسی ہندوستانی کو بولتے وقت اردو الفاظ کے استعمال میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اور وہ با آسانی نہ صرف اردو بول سکتا ہے بلکہ سمجھ بھی سکتا ہے۔اگر اردو والے عام لوگوں کے دماغ سے یہ بات نکالنے اور دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ اردو زبان ایک مخصوص مذہب کی زبان ہے تو اردو کو اپنا مقام حاصل کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا لیکن اس سے بڑا سوال یہ ہے کہ یہ ہوگا کیسے؟ کیسے عام شہری کے دماغ میں یہ بات بیٹھائی جائے کہ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے؟ اس کے لیے اردو کے چاہنے والوں کو ہی، جب بھی اور جہاں بھی موقع ملے، آگے آنا پڑے گا۔جب بھی وہ دوسری زبان بولنے والوں سے ملیں تو باتوں باتوں میں انھیں یہ بتائیں اور ذہن نشین کرائیں کہ اردو زبان ایک مخصوص مذہب کی زبان نہیں ہے۔ہوسکتا ہے کہ اس کام میں کچھ محنت کرنی پڑے اور وقت بھی لگے لیکن موجودہ صورت حال میں اس سے بہتر اور کوئی متبادل نہیں ہوسکتا۔اردو کے فروغ کے لیے اردو جاننے والے اور اردو سے پیار کرنے والے آگے نہیں آئیں گے تو اور کون آئے گا؟ ساتھ ہی

ساتھ دوسرا کارگر طریقہ یہ ہے کہ اردو کے بارے میں جگہ جگہ پر بیٹھکیں کی جائیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مدعو کیا جائے۔

ادھر میرے نوٹس میں یہ بات بھی آئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ غلط ہو کہ اردو بولنے والے، اردو جاننے والے اور اردو کے چاہنے والے بھی اردو کے مقابلہ میں دیگر زبانوں میں بولنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کم از کم اردو سے پیار کرنے والے تو اپنی گفتار، تصانیف وتحریروں میں اردو کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں، تب ہی اردو کا بھلا ہوسکتا ہے۔ اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ شاید کچھ دنوں سے اردو میں کتابوں، جریدوں اور دیگر قابل مطالعہ مواد کی اشاعت میں کمی آئی ہے۔ دریں صورت اردو کے فروغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اردو جاننے والے اردو میں زیادہ سے زیادہ کتابیں، رسالے وغیرہ چھپوائیں اور وہ کسی خاص مضمون تک محدود نہ رہیں بلکہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مضامین کو دائرۂ اشاعت میں لایا جائے اور دستیاب کرایا جائے۔ اردو میں زیادہ سے زیادہ مضامین سے متعلق بھرپور مواد کی فراہمی سے ہی اس کا فروغ ممکن ہو سکے گا۔

کسی بھی زبان کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں نئے نئے الفاظ شامل کیے جائیں۔ دنیا میں ہر وقت نئے نئے الفاظ وضع کیے جارہے ہیں۔ ایسا بیشتر انگریزی زبان میں کیا جارہا ہے۔ انگریزی کے چاہنے والے اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر نئے الفاظ کو شامل نہیں کیا جائے گا تو اس سے زبان کا مزید فروغ رک جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی میں ہر سال ہزاروں نئے الفاظ شامل کر لیے جاتے ہیں۔ ایسا ہی اردو زبان کے لیے بھی کرنا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں بھی نئے نئے الفاظ کو شامل کیا جاتا رہا ہے مگر رفتار قدرے دھیمی ہے، اس میں تیزی لانی ہوگی تاکہ اردو زبان کے مجموعۂ الفاظ میں مزید اضافہ ہو۔

جب جب اردو کی بات ہوتی ہے تو میرے دماغ میں یہ بات آتی ہے کہ کیا اسے اپنے فروغ کے لیے کسی سیاسی بیساکھی کی ضرورت ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ اردو زبان کے فروغ کے لیے سیاسی امداد کی ضرورت ہے تو ہمیں اپنے سامنے اتر پردیش جیسی بڑی ریاست کی مثال رکھنی پڑے گی جہاں ریاستی سرکار کے ذریعہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے باوجود

اس ریاست میں اردو کی کما حقہ ترقی ممکن نہیں ہوسکی ہے۔ یہ صورت حال اس زمینی حقیقت کے باوجود ہے کہ اتر پردیش میں پہلے سے ہی کافی لوگ اردو بولتے ہیں۔اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اردو کے فروغ کا انحصار سرکاری امداد پر ہی ہے۔اس کے لیے اردو کے چاہنے والوں کو بھی آگے ہونا ہوگا۔تبھی اس ہدف کو پورا کیا جاسکے گا۔

اب ایک سوال یہ بھی ہے کہ جب اردو پڑھنے کے بعد روزگار کے معقول ذرائع دستیاب نہیں ہیں تو کوئی اردو کیوں پڑھے؟ جب اردو پڑھنے کے بعد روزگار ہی نہیں ملے گا تو کوئی اردو کیوں پڑھے گا اور اسے ذریعۂ تعلیم کے طور پر اختیار کرے گا؟ لیکن اردو پڑھنے والوں اور اردو کو ذریعۂ تعلیم اختیار کرنے والوں کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کرنا ایک بے حد پیچیدہ مسئلہ ہے مگر اس کا حل نکالا جانا بے حد ضروری ہے۔اس کا حل نکالنا آسان کام نہیں ہے اور نہ یہ کام ایک دن میں ہوسکتا ہے۔اس مدعے کا حل تو اردو کے چاہنے والوں اور سیاسی شخصیتوں کو مل بیٹھ کر ہی نکالنا ہوگا۔جب تک دونوں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کریں گے تب تک اس مسئلہ کا حل نہیں نکلے گا۔

آخر میں میں اس بات کو دہرانا چاہوں گا کہ اردو ہندوستانی زبان ہے۔یہ کسی مخصوص طبقے ،ذات یا مذہب، یا علاقے سے تعلق رکھنے والوں کی زبان نہیں ہے۔ ہر ہندوستانی کا یہ فرض ہے کہ اردو سے پیار کرے،اسے اپنی زبان سمجھے اور اس کے فروغ میں ہاتھ بٹائے۔اردو زبان کا تحفظ ،فروغ اور استعمال محض فعل شوقیہ نہیں بلکہ وقت کی ضرورت ہے۔

میں اردو کونسل کے سبھی عہدے داران کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے مجھے یہاں بلا کر اپنی بات رکھنے کا موقع دیا۔امید ہے کہ آگے بھی اردو کے چاہنے والے ملتے رہیں گے اور اردو کے فروغ کی بات کرتے رہیں گے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اردو کے فروغ کا یہ سفر ہمیشہ جاری رہے گا۔

اردو میں قانونی ادب کے فروغ کے لیے
مرکزی حکومت کے عملی اقدامات
اور مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ واشاعت

مصباح الدین صدیقی

پیش خدمت مقالے کا موضوع ہے ’اردو میں قانونی ادب کے فروغ کے لیے مرکزی حکومت کے عملی اقدامات اور مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ واشاعت۔‘‘ آپ حضرات وخواتین اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ بھارت کے آئین کے 8ویں فہرست بند میں اردو کو دیگر 21 زبانوں یعنی آسامی، بنگالی، بوڈو، ڈوگری، گجراتی، ہندی، کنڑ، کشمیری، کونکنی، میتھلی، ملیالم، منی پوری، مراٹھی، نیپالی، اڑیا، پنجابی، سنسکرت، سنتھالی، سندھی، تامل اور تیلگو کے ساتھ اردو کو بھی حروف تہجی کے اعتبار سے (نہ کہ بہ اعتبار اہمیت) 22واں مقام دیا گیا ہے۔ اس فہرست بند کے عنوان کے تحت دفعات 344(1) اور 351 کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جہاں تک دفعہ 344(1) کی

بات ہے اس میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ سرکاری زبان کے لیے کمیشن اور پارلیمنٹ کمیٹی قائم کرنے کی بات کہی گئی ہے جب کہ دفعہ 351 میں یہ درج ہے کہ یونین کا یہ فرض ہوگا کہ ہندی زبان کی اشاعت کو فروغ دے تاکہ وہ بھارت کی ملی جلی تہذیب کے تمام عناصر کے لیے اظہار خیال کے ذریعہ کے طور پر کام آئے اور اس کے مزاج میں دخل انداز ہوئے بغیر ہندوستانی اور آٹھویں فہرست بند میں مندرجہ بھارت کی دوسری زبانوں میں استعمال ہونے والی تراکیب، اسلوب اور اصطلاحات کو جذب کر کے اور جہاں بھی ضروری ہو یا مناسب ہو، اس کے ذخیرۂ الفاظ کے لیے اولاً سنسکرت اور ثانیاً دوسری زبانوں سے اخذ کر کے اس کو مالا مال کرے۔

دفعہ 344(1) میں جس کمیشن کی بات کی گئی ہے یہ کمیشن 1961 میں قائم کیا گیا تھا اور یہ کمیشن 1976 تک کام کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کمیشن کی ذمہ داری وزارت قانون وانصاف کے لیجسلٹیو ڈپارٹمنٹ کی آفیشل لینگویجز ونگ نے یکم اکتوبر 1976 سے سنبھالی۔ کمیشن ماہرین قانون، عدلیاتی افسران اور مختلف زبانوں کے ماہرین پر مشتمل تھا۔ اس کمیشن نے متعلقہ شعبہ جات کے ماہرین سے صلاح ومشورہ کے بعد ہمارے قوانین میں استعمال کی جانے والی اصطلاحات کو حتمی شکل دینے کے لیے ایک فرہنگ تیار کی جسے Glossary of Legal Terms کا نام دیا گیا۔ اس فرہنگ میں اب تقریباً 65 ہزار انگریزی اصطلاحات کے ہندی مترادفات کے ساتھ ساتھ عدلیاتی زبان میں عربی وفارسی کے ان الفاظ کو بھی حصّہ 4 میں شامل کیا گیا ہے جو ایک طویل عرصے سے ہمارے قانونی ادب، قانونی کتب اور عدالتی فیصلوں کا حصہ رہے ہیں۔ اس فہرست کو شامل کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب بھی کسی پرانے فیصلے میں یا قانونی لٹریچر میں کہیں پر بھی یہ اصطلاحات آئیں گی تو ان کا مطلب بہ آسانی نکالا جاسکتا ہے۔ ان الفاظ کی تعداد تقریباً 2500 ہے اور اس میں بہت سے ایسے الفاظ بھی شامل ہیں جو متروک ہو چکے ہیں مگر جو دستاویزات اب تکمیل کی جاچکی ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان کا حصہ رہیں گے۔ مثال کے طور پر پہلے Doubt یا Suspicion کے لیے لفظ اشتباہ کا استعمال ہوتا تھا مگر اب اس کا استعمال نہیں رہا۔ اسی طرح پہلے Confirmation کے لیے استقلال استعمال ہوتا تھا اور اب اس کے لیے لفظ توثیق کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے مالگزاری سے متعلق کاغذات میں 'غیر ممکن' اصطلاح کا استعمال ناقابل

کاشت زمین کے لیے ہوتا تھا، Accountant کے لیے جمع خرچ نویس اور Recovered اور Recoverable رقم کے لیے جمع واصل باقی استعمال ہوتا تھا۔ اگر نفع زیادہ ہوا ہے تو اسے زرِتوفیر کا نام دیا جاتا تھا۔ اسی طرح Matrimonial Relationship کے لیے تعلقِ زناشوئی اصطلاح کا استعمال ہوتا تھا۔ یہ محض اشارتی اصطلاحات ہیں ورنہ ان اصطلاحات کی ایک طویل فہرست ہے جس کی تفصیل بتانا یہاں وقت کی کمی کے باعث ممکن نہیں۔

آیئے اب وزارت قانون کی آفیشل لینگویجز ونگ کے قانونی ادب کے تئیں خدمات سے آپ کو روبرو کرایا جائے۔ اس ونگ کو ہندی ومختلف علاقائی زبانوں میں مرکزی قوانین کے تراجم کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ یہ ونگ اب تک بھارت کے آئین کے علاوہ تقریباً 320 مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ کر چکی ہے۔ مرکزی قواعد وضوابط کے تحت ان کی اشاعت ریاستی حکومت کی ذمہ داری ہے مگر اس کا خرچ مرکزی حکومت اٹھاتی ہے۔ اردو کے معاملے میں یہ ذمہ داری حکومت جموں وکشمیر، جس کی سرکاری زبان اردو ہے کو سونپی گئی تھی مگر کچھ انتظامی دشواریوں کے باعث اشاعت کا کام وہاں نہیں ہوسکا اور اس سلسلے میں وزارت قانون نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے رابطہ قائم کیا اور کونسل ان قوانین کی اشاعت کے لیے بخوشی راضی ہوگئی۔ اس کے لیے وزارت قانون کونسل اور اس کے عملے کی، جس نے اس کام کو کرنے کا بیڑا اٹھایا، شکر گزار ہے۔ بھارت کے آئین کے سبھی پانچ ایڈیشن بھی کونسل کے تعاون سے ہی شائع ہوئے ہیں۔ اشاعت کا کام پہلے کونسل کے تعاون سے شروع ہوا اور بعد ازاں جموں وکشمیر کی حکومت نے بھی اس کام کو آگے بڑھایا۔ مجموعہ تعزیرات بھارت اور کئی دیگر قوانین کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور دیگر تراجم زیرطبع ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ حکومت بھارت نے مستند متن (مرکزی قوانین) ایکٹ، 1973 (The Authoritative Texts (Central Laws) Act 1973) کے ذریعہ ان تراجم کو وہی قانونی شکل دے دی ہے جو ہندی تراجم کو حاصل ہے۔

کونسل اور جموں وکشمیر حکومت کے تعاون سے یہ ونگ آئین کے علاوہ 51 کے قریب اور قوانین بھی شائع کر چکی ہے۔ ان میں انسانی حقوق، اقلیتوں، خواتین، اطفال، ایودھیا وغیرہ سے متعلق قانون کے علاوہ دو اہم قوانین مجموعہ تعزیرات بھارت اور مجموعہ ضابطہ دیوانی بھی شائع

ہوکر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہم فخر کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اس ونگ کے علاوہ ہندوستان کے کسی بھی ادارے نے اردو ادب وقوانین کے حوالے سے اس پیمانے کا کام نہیں کیا ہوگا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ بھارتی شہادت ایکٹ، 1872 اور مجموعہ ضابطہ فوجداری، 1973 بھی زیر طبع ہیں اور جلد ہی شائع کر دیے جائیں گے۔ وقف ایکٹ، 1995 کے ترجمہ کو بھی اس میں حال ہی میں کی گئی تمام ترمیمات کو شامل رکھتے ہوئے آخری شکل دی جا چکی ہے اور اسے بھی جلد ہی شائع کر دیا جائے گا۔ شائع شدہ مرکزی قوانین کے اردو تراجم اور آئین کا اردو ترجمہ وزارت قانون اور انصاف کی ویب سائٹ www.lawmin.nic.in پر بھی دستیاب کرائے جاتے ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ وزارت قانون اردو و دیگر علاقائی زبانوں میں قانونی لٹریچر وجرائد شائع کرنے کے لیے Grant in Aid دیتی ہے۔ یہ امداد وزارت کے ذریعہ وضع کیے گئے قواعد وضوابط کے مطابق این جی اوز ورجسٹرڈ سوسائٹیوں کو دی جاتی ہے مگر افسوس کہ گواہ چست مدعی سست۔ اردو والوں نے اس اسکیم کا اب تک نا کے برابر فائدہ اٹھایا ہے۔ مالی تعاون کی اس اسکیم کو ہر سال انگریزی، ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں کے اہم اخبارات میں شائع کر کے یونین اور ریاستوں میں قانون کے میدان میں سرکاری زبانوں کے فروغ کے لیے کام کرنے والی رضا کار تنظیموں اور رجسٹرڈ سوسائیٹیوں سے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں۔ درخواستیں موصول ہونے پر ان کی جانچ پڑتال محکمے میں کر کے ایک evaluation report اس غرض کے لیے تشکیل کی گئی ایک High Power Committee کے سامنے رکھی جاتی ہے جس کا چیئر پرسن عام طور پر عدالت عالیہ کا ریٹائرڈ جج ہوتا ہے۔ دیگر اراکین میں ایک سینیئر وکیل اور ایک پروفیسر بھی شامل ہوتے ہیں۔ کمیٹی درخواستوں پر غور کرنے کے بعد موزوں پائی گئی درخواستوں کا انتخاب کرتی ہے اور مالی تعاون کے لیے ادائیگی کر دی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے ہماری تشہیر میں کچھ کمی رہی ہو مگر انسان کو جہاں مالی فائدہ نظر آئے یا اردو کی خدمت کا موقع ملے تو ایسی صورت میں منزل کی طرف خود پیش رفت کرنی چاہیے چونکہ پرانی مثل مشہور ہے کہ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے مگر کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا۔ حالانکہ اب حالات بدل رہے ہیں ٹینکروں کے ذریعہ پانی

بھی پیاسوں تک پہنچایا جارہا ہے۔

ہماری وزارت نے جن قوانین کا اردو میں ترجمہ کیا اس کی ایک طویل فہرست ہے مگر ہم یہاں صرف چند اہم قوانین کے نام ہی درج کررہے ہیں تا کہ آپ حضرات کو یہ معلوم ہو سکے کہ مرکزی حکومت نے اس میدان میں کتنا کچھ کام کیا ہے اور یہ کام با قاعدہ جاری ہے۔ ہم یہاں آپ کو یہ بھی بتانا چاہیں گے کہ یہ ترجمہ کا کام کس طرح ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف اردو کی بات کریں گے۔ مرکزی قوانین کا اردو ترجمہ ریاست جموں وکشمیر کی حکومت کے شعبۂ قانون میں قائم اردو کوآرڈینیشن سیل کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ویٹنگ وزارت قانون کے اردو جاننے والے ڈائرکٹر سطح تک کے افسران کرتے ہیں۔ ویٹنگ کے بعد یہ ترجمہ ریجنل ورکنگ گروپ کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف علاقائی زبانوں کے ماہرین شامل ہوتے ہیں اور کبھی کبھی مختلف شعبہ جات سے متعلق دیگر ماہرین کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ ورکنگ گروپ کے اجلاس میں اس ترجمے پر با قاعدہ نہایت ہی ایمانداری اور سنجیدگی سے غور کیا جاتا ہے۔ ایسی اصطلاحات جن کے بارے میں کوئی شبہ یا ابہام ہو ان پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہی اس ترجمے کو حتمی شکل دی جاتی ہے لیکن ہم پھر یہاں یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ سہواً کسی سے بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری عدلیہ نے ایسے بہت سے فیصلے دیے ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی اصل قانون انگریزی زبان میں وضع کیا گیا ہے اور اس کے ترجمے میں کوئی غلطی پائی جاتی ہے تو اس صورت میں انگریزی متن کو ہی اس کا صحیح متن مانا جائے گا۔

آفیشل لینگویجز ونگ کے ذریعہ اردو میں شائع کیے گئے کچھ اہم قوانین

List of Central Acts in Urdu published under the Authority of President of India.

The Indian Penal Code, 1860

The Protection of Human Rights Act, 1993

The Protection of Women from Domestic Violence Act, 2005

The National Commission for Minorities Act, 1992

The Acquisition of Certain Area at Ayodhya Act, 1993

The Advocates Act, 1961

The Commissions for Protection of Child Rights Act, 2005

The Haj Committee Act, 2002

The Mahatma Gandhi National Rural Employment Guarantee Act, 2005

The Mahatma Gandhi National Rural Employment Guarantee (Extension to Jammu & Kashmir) Act, 2007

The National Commission for Women Act, 1990

The Private Security Agency (Regulation) Act, 2005

The Right to Information Act, 2005

The Code of Civil Procedure, 1908

The Energy Conservation Act, 2001

The Disaster Management Act, 2005

The National Commission for Minority Educational Institutions Act, 2004

The National Investigation Agency Act, 2008

The Prohibition of Child Marriage Act, 2006

The Unorganised Workers' Social Security Act, 2008

The Maintenance and Welfare of Parents and Senior Citizens Act, 2007

The Collection of Statistics Act, 2008

The Science and Engineering Research Board Act, 2008

The Right of Children to Free and Compulsory Education Act, 2009

The Right of Children to Free and Compulsory Education Rules, 2010

The Child Labour (Prohibition and Regulation) Act, 1986

The Protection of Plant Varieties and Farmers' Rights Act, 2001

The State Emblem of India (Prohibition of Improper Use) Act, 2005

The Factoring Regulation Act, 2011

The Sexual Harassment of Women at Workplace (Prevention, Prohibition and Redressal) Act, 2013

یہ فہرست محض اشارتی ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے قوانین کی ڈرافٹنگ

تیج بہادر ہانڈو

میں زعفران کی خوشبو والے اور جنت نظیر اس خطّۂ ارض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں جو مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے اور اس کی آغوش میں کتنی ہی زبانیں پلی بڑھی ہیں یا کشمیری زبان کا حصہ بنی ہیں۔ جیسے ہی آپ پنجاب کی سرحد پار کر کے ریاست جموں وکشمیر کی سرحد میں داخل ہوں گے تو آپ کو محکمۂ سیاحت کی جانب سے آپ کے استقبال میں لگائے گئے بڑے بڑے اردو کے hoardings ملیں گے اور اس طرح پہلی ہی نظر میں آپ کو اردو کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ویسے تو ریاست جموں وکشمیر میں بیشتر عوام کی مادری زبان کشمیری ہے اور اس کے علاوہ ریاست کے الگ الگ حصوں میں ڈوگری، بودھی، گجری اور پنجابی بھی بولی جاتی ہے۔ مگر یہاں کے عوام کی فراخ دلی کی داد دیجیے کہ انھوں نے اردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ عطا کیے جانے پر اف بھی نہ کی اور اس کو کشمیر کی دیگر زبانوں کی طرح گلے لگایا۔

کشمیری زبان کی فارسی زبان سے قربت کے باعث کشمیر کو ایران صغیر کا نام دے دیا گیا تھا۔ ویسے بھی فارسی زبان avesta اور آریائی زبانوں کے ہر طرح سے بہت قریب تھی۔ یہی

وجہ ہے کہ کشمیر میں مسلم و غیر مسلم مصنفین کی تخلیقات نہ صرف لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں بلکہ آج بھی انھیں اسی ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ دوسری جانب آریاؤں نے تمام علاقائی زبانوں کو پس پشت ڈال دیااور ایک نئی زبان Apabhransha کو جنم دیا اور اس میں سے ہریانوی، کھڑی بولی، میواتی اور برج بھاشا جیسی زبانیں ابھر کر آئیں۔ جب مغلیہ دور اپنے عروج پر تھا تو اردو، جسے کبھی لشکری کہا گیا، کبھی اردوئے معلیٰ، ریختہ، تو کبھی ہندوستانی، وجود میں آئی۔ جموں وکشمیر کے دستور کی دفعہ 145 کے مطابق آج یہی اردو زبان جموں وکشمیر کی سرکاری زبان ہے۔ اگر چہ ریاست جموں وکشمیر کا دستور الگ ہے مگر بھارت کا آئین بھی ہمارا اپنا آئین ہے۔ اس کی تمہید یعنی preamble اس طرح ہے:

جموں وکشمیر کا دستور

تمہید

ہم، ریاست جموں وکشمیر کے عوام، ریاست ہذا کے 26، اکتوبر 1947 کو ہندوستان کے ساتھ الحاق کے اتباع میں اس ریاست کی یونین آف انڈیا میں اس کے ایک اٹوٹ حصہ کے طور پر موجودہ رشتہ کا مزید تعین کرنے کے لیے،

اور اپنے آپ کو:

سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف،

خیال، اظہار، عقیدہ، مذہب اور عبادت کی آزادی،

بہ اعتبار حیثیت اور موقع مساوات

حاصل کرانے کے لیے،

اور ان سب کے مابین

فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد

اور سالمیت کو یقینی بنانے والی اخوت

کو فروغ دینے کے لیے

متانت وسنجیدگی سے عزم کرتے ہوئے اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج مورخہ 17 نومبر، 1956

کوذریعہ ہٰذا اس آئین کواختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اوراپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔

دفعہ 145 کا متن درج ذیل ہے:-

دفعہ 145۔ ریاست کی سرکاری زبان: ریاست کی سرکاری زبان اردو ہوگی لیکن تمام سرکاری اغراض کے لیے انگریزی کا تب تک اسی طرح استعمال کیا جاتا رہے گا جیسا کہ اس دستور کے نفاذ سے ماقبل کیا جارہا تھا جب تک کہ مقنّنہ اس کے برخلاف توضیع نہ کردے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ریاستی دستور میں دیگر زبانوں کی ترقی کی بات بھی کہی گئی ہے۔ درج ذیل دفعہ اس بات کا دستاویزی ثبوت ہے:

دفعہ 146۔ آرٹ، کلچر اور زبانوں کی ترقی کے لیے اکادمی: گورنر دستور کے نفاذ کے بعد جتنا جلد ہو سکے آرٹ، کلچر اور زبانوں کے لیے اکادمی قائم کریں گے جہاں ریاست کے آرٹ اور کلچر کی ترقی اور ہندی، اردو اور ان علاقائی زبانوں کے فروغ کے لیے مواقع فراہم کیے جائیں گے جن کی چھٹے شیڈیول میں صراحت کی گئی ہے۔

یہ اکادمی 1958 میں قائم کردی گئی تھی اور تب سے باقاعدہ ایک فعال ادارے کا رول ادا کررہی ہے۔ کسی بھی زبان کا رسم الخط، اس کی، اس کے بولنے اور لکھنے والوں کی شناخت ہوتا ہے اور اگر ایک ہی رسم الخط طویل عرصے سے چلا آرہا ہو تو وہ ملک کی قابل قدر ثقافت کا حصہ بن جاتا ہے اور اس کا تحفظ ایک آئینی ذمہ داری کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ لہٰذ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کریں اور اسے برقرار رکھیں۔

جہاں تک مقنّنہ میں زبان کے استعمال کا سوال ہے اس کی بابت ریاستی دستور میں دفعہ 87 شامل کی گئی ہے جس میں واضح طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ مقنّنہ میں کام کاج اردو یا انگریزی میں ہوگا مگر اس کے ساتھ یہ فقرۂ شرطیہ بھی لگادیا گیا ہے کہ لیجسلیٹو کونسل کا چیئرمین کسی بھی رکن کو ہندی یا اس کی مادری زبان میں بولنے کی اجازت دے سکتا ہے اگر وہ اپنے خیالات انگریزی یا اردو میں ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ اسی دفعہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ

مقنّنہ کا مکمل ریکارڈ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں رکھا جائے گا مگر مقنّنہ کے ذریعہ منظور شدہ قوانین کے انگریزی متن کو ہی اس کا مستند متن سمجھا جائے گا۔

ہماری ریاست کے اپنے قوانین ہیں۔ ان میں 1947 سے قبل لفظ رنبیر سے شروع ہونے والے اردو میں وضع کیے گئے رنبیر پینل کوڈ جیسے قوانین بھی شامل ہیں۔ اس ریاست کے باشندوں پر مرکزی قوانین براہ راست لاگو نہیں ہوتے ۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صدارتی احکامات کے نتیجہ میں اچھی خاصی تعداد میں مرکزی قوانین کا اطلاق ریاست جموں وکشمیر پر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جموں وکشمیر حکومت کا قائم کردہ Urdu Co-ordination Cell مرکزی حکومت کی وزارت قانون کے اشتراک سے کئی سو مرکزی قوانین کا ترجمہ کر چکا ہے اور ہم قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ممنون ہیں کہ اس نے ان قوانین کو شائع کرنے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ریاست جموں وکشمیر کی حکومت نے بھی اردو کے فروغ کے لیے ریاستی کونسل برائے فروغ اردو زبان (SCPUL) قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کے اس مجوزہ ریاستی کونسل کو NCPUL کی رہنمائی اور ضروری مدد حاصل ہوگی۔

ہماری ریاست میں اردو کے فروغ کے ساتھ ساتھ کشمیری، ڈوگری، گجری، پنجابی اور بودھی زبانوں کے فروغ کے لیے بھی معقول سہولیات فراہم کی جارہی ہیں لیکن اردو نہ صرف سرکاری زبان ہے بلکہ یہ ایک link language کا بھی کام کررہی ہے اور یہ ریاست جموں وکشمیر کے مختلف النوع کلچرل یونٹس کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کا ذریعہ بھی رہی ہے اور اس سلسلہ میں سرکاری، نیم سرکاری ونجی ایجنسیوں نے بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ کشمیری اور اردو کی قربت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آج بھی اردو کے بہت سے الفاظ جیسے دربار، مکان، تماشہ، فوارہ، سفید، سبز، قمیض، جراب، جانور، زیارت، بلبل، دریا، سمندر، آسمان، شام، دوستی، پردہ، عینک، صندوق، قینچی، بنیان، تلوار، پری، دروازہ، کھیت، تجارت، دکھ وغیرہ کشمیری زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔

کبھی کبھی آپ کو یہ سننے کے لیے ملتا ہوگا کہ ریاست جموں وکشمیر میں اردو میڈیم اسکول

ناپید ہیں۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہاں اردو کی تعلیم وتدریس کا انتظام نہیں۔اردو بحیثیت مضمون نچلی سطح سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک پڑھائی جاتی ہے۔ ہماری ریاست کا تعلق چونکہ کافی حد تک غیر ملکی سیاحوں اور اردو نہ جاننے والے ملکی سیاحوں سے ہے اس لیے بچے زیادہ تر انگریزی میڈیم اسکولوں میں پڑھنا پسند کرتے ہیں تا کہ وہ سیاحوں سے انگریزی زبان کے توسط سے رابطہ قائم کرسکیں۔مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہماری ریاست میں بہت ہی کم لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جنھیں اردو نہ آتی ہو یا اردو نہ سمجھتے ہوں۔ہم بلا مبالغہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر میں اردو کا مستقبل انتہائی روشن ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کا بھی برابر فروغ ہورہا ہے۔

ہندوستان میں اردو کی دستوری وقانونی حیثیت

خلیل احمد

دنیا کے بیشتر لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خالق کائنات نے آدمی کو زمین کا خلیفہ یعنی راجہ بنایا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسے سرشٹی کا مول (सृष्टि का मूल) اور ''کریم آف کریئشن'' (Cream of Creation) بھی کہا جاتا ہے۔ انسان کے علاوہ اس زمین پر دیگر مخلوقات ہزاروں قسم کے چرند و پرند، حیوانات، کیڑے، نباتات وغیرہ بھی پائے جاتے ہیں۔ ان طرح طرح کی مخلوقات کو بایوڈائیورسٹی (Bio-diversity) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس زمین پر ہر مخلوق کو پھلنے پھولنے اور اپنی جنس کو فروغ دینے کا اختیار اور حق ہے۔ لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی دوڑ میں جس تیزی سے جنگلات کی کٹائی ہوئی ہے، جس طرح سے آب وہوا متاثر ہوئی ہے اس سے بہت سی جنسیات تو تاریخ کے صفحات میں سمٹ کر رہ گئیں اور بہت سی جنسیات کے وجود کو شدید خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ چونکہ انسان زمین کا خلیفہ ہے اور طرح طرح کی مخلوقات اس زمین کی زینت ہیں اس لیے یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان سب کو تحفظ عطا کرے۔ انسانوں نے اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی سمجھا ہے اور آج بائیوڈائیورسٹی (Bio-diversity) کو بچانے کی کاوشیں کی

جارہی ہیں اور ایسی جنسیات جن کے وجود کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے، کو بچائے رکھنے کے لیے بہت سے پروجیکٹس اور ریزروفورسٹ وغیرہ کا انتظام کیا جارہا ہے۔ اس بات کو تسلیم کرلیا گیا ہے کہ زمین کے فلورا اور فونا (Flora & Fauna) اور بایوڈائیورسٹی نہ صرف زمین کی زینت ورونق ہیں بلکہ ہم سب کی بقاو بہبود کے لیے بھی ضروری ہیں۔

جس طرح سے زمین پر مختلف قسم کی مخلوقات پائی جاتی ہیں، اسی طرح دنیا میں اور ہندوستان میں جو جغرافیائی اعتبار سے ایک برصغیر کی طرح وسیع تر اور مختلف قسم کے حالات یعنی پہاڑی، میدانی اور ریگستانی علاقوں پر مشتمل ہے، مختلف مذاہب کے ماننے والے، مختلف تہذیبوں کے بانی، طرح طرح کے لباس پہننے والے اور طرح طرح کی زبانیں بولنے والے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جس طرح سے بایوڈائیورسٹی زمین کا حسن اور اس کی بقا و بہبود کے لیے ضروری ہے اسی طرح ہندوستان میں پائے جانے والے یہ مذاہب، تہذیبوں، زبانوں، لباسوں اور رسوم و رواجوں کی ڈائیورسٹی (Diversity) ہندوستان کا حسن اور اس کی بقا و بہبود کے لیے لازم ہیں۔ جس طرح انسانوں نے بایوڈائیورسٹی کے تحفظ کے لیے اقدام کیے ہیں، اسی طرح ہندوستان کے رہبروں نے ہندوستان کے دستور میں مختلف مذاہب، تہذیبوں اور زبانوں کے تحفظ اور فروغ کے لیے اقدام اٹھائے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ نہ صرف قدرت بلکہ انسانی فطرت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ طرح طرح کے مذاہب، تہذیبیں، زبانیں، رسم ورواج ملک میں موجود رہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت تغیر پسند ہوتی ہے اور انسان جلد ہی ایک قسم کی چیز سے اوب جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حضرت موسیٰ کی قوم کے لوگ من وسلویٰ جیسے لذیذ آسمانی کھانے سے اوب گئے اور کہنے لگے "وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسىٰ لَنْ نَّصْبِرَ عَلىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ" (آیت نمبر 61، سورۃ البقرۃ)

علامہ اقبال نے بھی انسانی فطرت کے اس پہلو کا اعتراف کیا ہے اور کچھ اس انداز سے کہا ہے:

ملی طبیعت تغیر پسند کچھ ایسی
کیا قرار نہ زیر فلک کبھی میں نے

غرض یہ کہ ہندوستان میں پائی جانے والی مذہبی ،تہذیبی اور زبانی ڈائیورسٹی نہ صرف جغرافیائی اور تاریخی حقائق پر مبنی ہے بلکہ انسانی فطرت کے بھی عین مطابق ہے اور اس ڈائیورسٹی میں ہی ہندوستان کی یکجہتی (Unity) ہے۔ مذہبی، تہذیبی اور زبانی اختلاف کے باوجود ہندوستان کے لوگ قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے دھاگے میں پروئے گئے مختلف قسم کے پھولوں کے ہار کی مانند رونق افروز ہیں۔ الگ الگ مذاہب، تہذیب، زبان، لباس، رسم ورواج کے بعد، قومی یکجہتی ہونا اور کبھی بھی یہ اختلافات ہندوستان کے لیے پریشانی کا سبب نہ بننا اسی لیے ممکن ہوسکا ہے چونکہ سبھی ہم آہنگی اور میل ملاپ کے ساتھ ایک دوسرے کی قدر اور احترام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں بنتے۔ آئین سازوں نے بھی اس پہلو کو اچھی طرح سمجھ کر مذہبی آزادی اور اپنی تہذیبی روایتوں کو قائم رکھنے کی آزادی، اپنی اپنی زبان بولنے اور اسے فروغ دینے کی آزادی کو ہندوستانیوں کا بنیادی حق مانا ہے اور اسے دستور کے حصہ سوم میں آرٹیکل 25 سے 29 تک میں بنیادی حق قرار دیا ہے۔

اردو کی ہندوستان میں دستوری اور قانونی حیثیت کے موازنہ سے پہلے اردو کی ماہیت، اس کی تاریخ اور اس کے ہندوستان کی دوسری زبانوں سے رشتے اور تعلق پر بھی نظر کرنا اہم ہوگا۔ ماہر لسانیات کا ماننا ہے کہ جغرافیائی، سیاسی اور فوجی سرگرمیوں سے تہذیبیں اور زبانیں متاثر ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو کوئی نئی زبان وجود میں آجاتی ہے۔ اردو زبان بھی کچھ اسی طرح کی سرگرمیوں سے وجود میں آئی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب ہندوستان کی مغربی سرحد پر عربی، فارسی اور ترکی بولنے والے لوگوں نے لشکر کشی کی تو انھیں ہندوستان کے مقامی باشندوں سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اسی ضرورت کے تحت ایک زبان وجود میں آئی جس میں عربی، فارسی، ترکی زبانوں کے الفاظ کے ساتھ ہندوستانی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش تھی۔ اس زبان کو کھڑی بولی اور اپ بھرنش کے نام سے جانی جاتی تھی۔ 13 ویں اور 14 ویں صدی کے آتے آتے یہ کھڑی بولی الگ الگ دو زبانوں کی شکل اختیار کرنے لگی۔ جب کھڑی بولی کو دیوناگری رسم الخط میں لکھا جانے لگا تو وہ پراکرت اور ہندی کی شکل اختیار کرگئی اور جب اس زبان کو عربی رسم الخط میں لکھا گیا تو وہ اردو کہلائی جانے لگی۔ یہ دونوں زبانیں ایک ہی زبان سے، ایک ہی حالات میں اور ایک ہی وقت

میں وجود میں آئیں۔اس اعتبار سے دونوں زبانیں سگی بہنیں ہوئیں۔لیکن اردو زبان کو خواجہ نظام الدین اولیا اور خواجہ گیسودراز بندہ نواز جیسے بزرگوں کا پیار اور سرپرستی حاصل ہوئی اور یہ دھیرے دھیرے مقبولیت کی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی بلندی پر پہنچتی گئی۔ 18 ویں صدی میں اردو زبان کو میر تقی میر اور اسداللہ خاں غالب جیسے عاشق ملے جنھوں نے اس کی زلفوں کو کچھ اس طرح سنوارا کہ اس کو ایک حسین وجمیل شہزادی کا روپ دے دیا۔اس کے عاشقوں میں بادشاہ وقت بہادر شاہ ظفر بھی شامل ہو گئے اور اردو زبان شاہی دربار میں رونق افروز ہوگئی۔شاید یہ اردو زبان کا سنہری دور تھا۔جلد ہی نہ صرف اردو زبان بلکہ تمام ہندوستانی ریاستوں پر بھی زوال آ گیا اور ہر طرف انگریزوں کا غلبہ قائم ہو گیا۔

یہاں یہ بات واضح کر لینی چاہیے کہ کچھ مؤرخین اپنی کجروی کی وجہ سے اردو کو حملہ آوروں کی زبان تصور کر لیتے ہیں۔لیکن یہ بات حقائق پر مبنی نہیں۔حق تو یہ ہے کہ اردو اور ہندی دونوں زبانیں ہندوستان کے مغرب میں بولی جانے والی زبانوں اور ہندوستان میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کی آمیزش، میل ملاپ، پیار اور ہم آہنگی کی دین ہے۔آج بھی اردو اور ہندی میں رسم الخط کے علاوہ بہت کچھ ایک سا ہے۔دونوں زبانوں کے قواعد، جملوں کی ساخت (Structure of Sentences) ایک ہے۔نتیجے کے طور پر بہت سے جملے ہندی اور اردو میں آج بھی بالکل ایک جیسے ہیں۔مثال کے طور پر ''وہ گھر جاتا ہے، میں آ رہا ہوں، وہ کام کر رہا ہے وغیرہ جملے دونوں زبانوں میں بالکل ایک ہیں۔ہاں رسم الخط اور لغت میں تفریق ضرور ہے۔

ایک طویل جدوجہد کے بعد جب 15/اگست 1947 میں ہندوستان کو خود اختیاری حاصل ہوئی اور آزاد ہندوستان کے لیے آئین سازی کا کام شروع کیا گیا تو ہمارے رہنما اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ جنگ آزادی میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی نے ایک ساتھ حصہ لیا تھا اور قربانیاں دی تھیں۔انگریزوں کو ہندوستان پر غلبہ، ہندوستانی ریاستوں کے آپسی تنازعات و جنگ کی وجہ سے ہوا تھا اور قومی یکجہتی کے مظاہرے کے سامنے برطانیہ جیسی عظیم تر طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے تھے اور قومی یکجہتی کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ سبھی ہندوستانیوں کو برابری کا حق ہو، ہر ہندوستانی کو اپنے مذہب کو ماننے، اس پر عمل پیرا ہونے اور اسے فروغ دینے کی آزادی

ہو۔سب کو اپنی اپنی تہذیب قائم رکھنے، اپنی زبان بولنے اور اس کے فروغ کا اختیار ہونا چاہیے۔ اس جذبے کے تحت دستور کے حصہ سوم میں آرٹیکل 14 کے تحت سبھی ہندوستانیوں کو برابری کا حق دیا گیا ہے۔آرٹیکل 25 میں سبھی ہندوستانیوں کو مذہبی آزادی کا حق دیا گیا۔ ہر ہندوستانی کو اپنے مذہب کو ماننے، اس پر عمل کرنے اور اس کو فروغ دینے کا حق ہے۔آرٹیکل (1)29 میں سبھی ہندوستانیوں کو اپنی زبان اور رسم الخط اور تہذیب کو خواہ وہ اقلیت میں ہوں، قائم رکھنے کا حق عطا کیا گیا ہے۔آرٹیکل (2)29 کے مطابق حکومت ہند یا کسی ریاست کی حکومت کے ذریعے چلائے جارہے یا ان کے فنڈ سے چلائے جارہے تعلیمی اداروں میں مذہب، ذات یا زبان کی وجہ سے کسی بھی ہندوستانی کو داخلہ لینے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔آرٹیکل 30 کے مطابق سبھی اقلیتوں کو، خواہ مذہبی اعتبار سے ہوں یا زبان کے اعتبار سے، اپنے تعلیمی اداروں کو قائم کرنے اور ان کو چلانے کی آزادی اور حق دیا گیا ہے۔ دستور ہند کے حصہ سوم میں دیے گئے حقوق کو بنیادی حق قرار دیا گیا ہے اور دستور میں ان حقوق کی ضمانت دی گئی ہے اور ان کے تحفظ کا ذمہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کو دیا گیا ہے۔ان حقوق کی خلاف ورزی ہونے پر یہ عدالتیں بالترتیب دستور کے آرٹیکل 32 اور آرٹیکل 226 کے تحت رِٹ (Writ) جاری کرسکتی ہیں۔

ان بنیادی حقوق کے علاوہ دستور کے حصہ 17 میں مرکزی حکومت کے لیے دفتر میں استعمال کی جانے والی زبان کے بارے میں بتایا گیا ہے۔آرٹیکل 343 میں مرکزی حکومت کے لیے دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے۔اس آرٹیکل کی دکن کی ریاستوں میں مخالفت کی گئی اور تمل ناڈو، کرناٹک، آندھراپردیش اور کیرالہ میں ہندی کی مخالفت میں احتجاج اور مظاہرے کیے گئے۔لیکن اردو بولنے والوں نے اس کی بالکل مخالفت نہیں کی۔ چونکہ اردو اور ہندی سگی بہنوں کی طرح ہیں اور رسم الخط کے علاوہ دیگر اختلافات بہت کم ہیں۔لیکن کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ اس آرٹیکل کی وجہ سے اردو زبان کی حیثیت میں کمی آئی ہے اور ہندی اور اردو جنھیں برابری کا درجہ ملا تھا، ہندی کو دفتری زبان ہونے سے اردو پر برتری حاصل ہوگئی ہے۔لیکن یہ سب باتیں برائے بحث ہیں اور زمینی حقائق پر اس کا اثر کم ہے کیونکہ دستور میں ہندی کو سرکاری زبان قرار دینے کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں اور اقلیتی زبانوں کے تحفظ کے لیے بھی دفعات شامل کی

گئی ہیں۔ دستور کے آرٹیکل 350 میں ہندوستان میں بولی جانے والی کسی بھی زبان میں عرضی مرکزی حکومت کے تحت کسی بھی دفتر میں یا ریاستی حکومت کے دفتر میں دی جاسکتی ہے۔

آرٹیکل 350 (الف) میں حکومت کو یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ پرائمری تعلیم مادری زبان میں دلانے کا انتظام کرے۔ آرٹیکل 350 (ب) میں اقلیتی زبانوں کے تحفظ اور فروغ کے لیے ایک خصوصی افسر کی تقرری کی بات کہی گئی ہے۔ اس آرٹیکل کے تحت مرکزی حکومت قومی کمشنر برائے لسانی اقلیات (National Commissioner for Linguistic Minorities) کی تقرری کرتی ہے جو اقلیتی زبانوں کی ترقی و بقا کے لیے اپنی رپورٹ صدر جمہوریہ کو پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں حال ہی میں پروفیسر اختر الواسع صاحب نے بحیثیت کمشنر 52 ویں سالانہ رپورٹ صدر جمہوریہ کو پیش کی۔ اکتوبر 2004 میں مرکزی حکومت نے جسٹس رنگ ناتھ مشرا کی قیادت میں مذہبی اور زبانی اقلیتوں کے لیے ایک کمیشن قائم کیا، جس نے 2007 میں اپنی رپورٹ مرکزی حکومت کو پیش کی۔

ہندوستانی دستور کے علاوہ بین الاقوامی قانون میں بھی سبھی لوگوں کو اپنی تہذیب اور زبان کے بارے میں حقوق دیے گئے ہیں۔ اقوام متحدہ یو-این (U.N.) کے اصرار پر ہندوستانی پارلیمنٹ نے 1993 میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے ایک قانون بنایا جس کو ''دی پروٹکشن آف ہیومن رائٹس ایکٹ (The Protection of Human Rights Act 1993) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ 2 (د) میں انسانی حقوق کی تشریح کی گئی ہے۔ انسانی حقوق سے مراد ہر فرد کو جینے کا حق، برابری کا حق، آزادی کا حق اور اپنا وقار بنائے رکھنے کا حق ہے۔ یعنی کہ ہر فرد کا یہ ہیومن رائٹ (انسانی حق) ہے کہ وہ ایک پروقار زندگی جینے پر اختیار رکھتا ہو۔ عدالتی نظیروں کی رو سے اپنی تہذیب قائم کرنے کی آزادی اور اپنی زبان بولنے کی آزادی کے بنا، ایک پروقار زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح اپنی تہذیب پر قائم رہنے، اس کے رسم و رواج پر عمل کرنے اور اپنی زبان بولنے اور اس کو فروغ دینے کا ہر فرد کا انسانی حق ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہر انسانی حق بنیادی حق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر جائداد کا حق انسانی حقوق کے زمرہ میں آتا ہے لیکن بھارت کے آئین کے تحت یہ بنیادی حق نہیں ہے۔

اقوام متحدہ (U.N.) کے ذریعہ منظور شدہ انسانی حقوق کا عالمگیر اعلامیہ (Universal Human Rights Declaration) کے آرٹیکل 22 میں ہر فرد کو اپنے کلچر، تہذیب کے تحفظ کا حق دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسانی وقار کے لیے یہ لازم ہے کہ اسے اپنی تہذیبی قدروں پر قائم رہنے کا اختیار ہو۔ اس حق کو دنیا بھر کے لوگوں اور ممالک نے تسلیم کیا ہے۔ UNESCO کی 20/اکتوبر 2005 میں منعقد 33 ویں سیشن کی پیرس قرارداد میں یہ مانا گیا کہ کلچرل ڈائیورسٹی کو فروغ دینا چاہیے یعنی دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی تہذیب اور اپنی زبان کو فروغ دینے کا حق ہے۔

حکومت ہند نے بھی اس سلسلے میں بہت سے موثر اقدام کیے ہیں۔ جن میں سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لینگویجز (Central Institute of Indian Languages) اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان شامل ہیں۔ ان سرکاری اداروں کے علاوہ کچھ غیر سرکاری ادارے جیسے انجمن ترقی اردو اور جامعہ اردو علی گڑھ بھی اردو کے فروغ میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

نتیجے کے طور پر، زمانے کے حوادثات کا شکار ہونے کے باوجود اردو دستور ہند کے شیڈول 8 میں اپنا مقام بنائے ہوئی ہے۔ جموں وکشمیر ریاست کی یہ سرکاری زبان ہے۔ نیشنل کیپٹل ٹیری ٹوری دہلی (NCT of Delhi)، اتر پردیش اور بہار میں اردو کو دوسری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ دہلی کے کچھ علاقوں میں اردو کثیر تعداد کی زبان ہے۔ دریا گنج علاقے میں 52.6% فیصد لوگوں کی زبان اردو ہے اور دہلی کے صدر علاقے میں یہ 36.6% لوگوں کی زبان ہے۔ دکن میں آندھرا پردیش اور کرناٹک اور بہار میں 10 فیصد آبادی اردو بولنے والوں کی ہے۔ اردو کی مقبولیت میں آج اہم کردار اردو شاعری خاص طور سے غزل ادا کر رہی ہے۔ آج بھی غزل بہت سے لوگوں کی پسند ہے۔ لوگ مشاعروں کو بہت پسند کرتے ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اتنا قانونی تحفظ ہونے کے باوجود اردو کو جو فروغ ملنا چاہیے تھا وہ نہیں ملا اور اردو کو آج جس حالت میں ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قانون کی پابندی نہیں ہو پا رہی ہے۔ قانونی اور دستوری حقائق اور حیثیت کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تو قانونی یعنی ڈی جیورے (Dejure) اور دوسرا زمینی حقائق پر منحصر یعنی ڈی فیکٹو (Defacto)۔ اردو اور دیگر اقلیتی زبانوں کو ڈی جیورے بہت سے حقوق و اختیارات ہیں، لیکن

ڈی فیکٹو ایسا نہیں ہے۔ مثلاً پرائمری تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے۔ دستور کے آرٹیکل 350 (الف) میں یہ قانونی حق ہے۔ لیکن زمینی طور پر اس پر عمل نہیں ہو پا رہا ہے۔ اسی طرح ہر فرد کو حق ہے کہ وہ سرکاری دفاتر میں عرضی اپنی زبان میں دے سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی کسی بینک میں جا کر رقم نکالنے کے لیے فارم (Withdrawal Form) اردو میں پیش کرتا ہے تو اسے کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جب تک انتظار کرنا پڑتا ہے تب تک کوئی اردو جاننے والا بینک کا ملازم یا افسر اس کی تصدیق نہیں کر دیتا۔ دوسرے بہت سے لوگوں کو ابھی یہ بھی معلوم نہیں کہ انھیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اردو میں عرضی پیش کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں موثر اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو کے تحفظ کے لیے جو قانونی اقدامات کیے گئے ہیں ان کی پابندی ہونی چاہیے۔ اگر کوئی قانون لاگو نہیں کیا جاتا تو وہ قانون بے معنی ہے۔

پرائمری تعلیم اردو میں دلانے کے لیے موثر اقدام اٹھائے جانے چاہیے، اسکولوں میں اردو ٹیچرز کی تعیناتی ہونی چاہیے، اس بات کو عام لوگوں تک پہنچانا چاہیے کہ وہ اردو میں بھی عرضی پیش کر سکتے ہیں۔ ہر آفس میں کم از کم ایک اردو جاننے والا ملازم ہونا چاہیے۔ اس کے لیے ہر آفس میں ایک کلرک یا افسر کی پوسٹ کلرک کم اردو ٹرانسلیٹر (Clerk-cum-Urdu Translator) میں تبدیل کر دینی چاہیے۔

تیسرا باب

اردو کا فروغ اور اردو جاننے والوں کے لیے
روزگار کے مواقع

مسابقتی امتحانات میں اردو کی اہمیت

شمیم الدین

ہمارے ملک کے آئین اور انسانی حقوق سے متعلق تمام بین الاقوامی دستاویزات اور تقریباً تمام ممالک کے Constitutions میں تعلیمی اداروں میں بلاتفریق مذہب یا عقیدہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی آزادی اور ثقافت کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔ ویسے بھی سب کا ساتھ اور سب کی ترقی کسی بھی جمہوری نظام میں محض ایک نعرہ نہیں بلکہ ایک ایسا تصور ہے جسے عملی جامہ پہنانا ارباب حکومت کا فرض ہی نہیں بلکہ یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے۔

اردو ایک زندہ زبان ہے اور اسے زندہ رکھنے کے لیے ہی آئین کے 8 ویں شیڈول میں اسمیا، بنگالی، گجراتی، ہندی، کنڑ، کشمیری، کونکنی، ملیالم، منی پوری، مراٹھی، نیپالی، اڑیا، پنجابی، سنسکرت، سندھی، تمل، تیلگو، بوڈو، سنتھالی، میتھلی اور ڈوگری کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔

جہاں تک اردو کے تاریخی سفر کی بات ہے دیگر مقالہ نگار اس کے بارے میں آپ کو واقف کرا ہی چکے ہوں گے اور ویسے بھی آپ میں سے بیشتر افراد اردو داں ہیں اور یقینی طور پر مجھ سے زیادہ اردو کے تاریخی سفر کی جانکاری رکھتے ہیں۔ میں اپنے مقالے کو صرف ان امور تک محدود

رکھوں گا جن سے میرا واسطہ پڑا ہے یا اس وقت ہے۔

آج بھی کتنے ہی نوجوان مسابقتی امتحانوں میں جیسے IAS یا کچھ ریاستوں میں PCS یا Judiciary کے امتحانات میں اردو مضمون لے کر بڑے سے بڑے عہدوں پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں جب اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں کے جاننے والے ہائی کورٹ کے اردو و ہندی Translators ایڈیشنل سکریٹری، ڈائرکٹر اور عدلیاتی و نیم عدلیاتی اداروں جیسے ہائی کورٹ، Central Administrative Tribunal اور دیگر Tribunals کے رجسٹرار تک کے عہدوں پر فائز رہے ہیں اور ہیں جب کہ دیر سے IAS جوائن کرنے والے کچھ افسران بھی اس level تک نہیں پہنچ پاتے۔ ہمارا یہ سب کچھ بتانے کا مقصد اعلیٰ سروسز کی تقصیر نہیں بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کسی وجہ سے آپ شروع میں کوئی اعلیٰ عہدہ حاصل نہیں کر سکے تو بھی آپ کے لیے راستے کھلے ہیں۔ UPSC کا اعلیٰ عہدوں کے لیے Direct Recruitment کا راستہ ہمیشہ کھلا ہے۔ مگر اس کے لیے صرف اردو ہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں اور مضامین میں بھی مہارت حاصل کرنی ہوگی۔ اردو کو زندہ رکھنے کی ذمہ داری صرف مدرسوں کی ہی نہیں آپ کو بھی اسے زندہ رکھنا ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں بقول ڈاکٹر امبیڈکر:

> ''دنیا میں عزت کے ساتھ جینا سیکھو اور ہمیشہ کوئی کارنمایاں انجام دینے کے خواہش مند رہو۔ حوصلہ مند ہی عروج پر پہنچ سکتے ہیں۔ تم میں سے کچھ نے خواہ مخواہ اپنے دماغ میں یہ بات بٹھالی ہے کہ تم اس دنیا میں کوئی بلند مقام حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ مگر یاد رکھو کہ اب دورِ بے کسی ختم ہو چکا ہے اور ایک نئے دور کی شروعات ہو چکی ہے۔''

آج بھی ہمارے ملک میں کل ملا کر سیکڑوں اردو میڈیم اسکول ہیں اور ان کے طلبا بھی competitive examinations میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہے ہیں اور منواتے رہے ہیں۔

اردو جاننے والے امیدوار بھی یہ چاہتے ہیں کہ حکومت انھیں ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس کے لیے نیٹ (National Eligibility cum Entrance Test) میں، جس کا قومی پیمانے پر انعقاد ہندوستان کی 10 زبانوں میں یعنی ہندی، انگریزی، آسامی، بنگالی، گجراتی،

مراٹھی، تمل، تیلگو، کنڑ اور اڑیا میں کیا جاتا ہے، اردو میں بھی منعقد کیا جائے تا کہ وہ بھی ڈاکٹر بن کر ملک وقوم کے نجی وسرکاری اداروں میں طبی خدمات انجام دینے کے قابل ہوسکیں۔ حکومت ہند نے سپریم کورٹ کو اس بات کا یقین دلایا ہے کہ وہ اس معاملے پر غور وخوض کرے گی۔ امید کی جانی چاہیے کہ حکومت کا فیصلہ مثبت اور ہمت افزا ہوگا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر کی سرکاری زبان اردو ہے وہاں بیشتر کام اردو میں ہی ہوتے ہیں اور مختلف مسابقتی امتحانات بھی کسی نہ کسی شکل میں آپ کی اردو کی جانکاری کا امتحان لینے کا موقع حسب صورت دیا اور لیا جاتا ہے۔ جوڈیشیئری کے امتحان میں آپ کو اردو یا ہندی میں مضمون لکھنا پڑتا ہے۔ اتر پردیش کی جوڈیشیئری کے امتحان میں پہلے 40 نمبر کا اردو کا پرچہ لازمی تھا مگر افسوس کی بات ہے کہ وہاں اردو کو ختم کر دیا گیا جبکہ آج بھی اس صوبے میں جو پرانی دستاویزات عدالت کے روبرو پیش کی جاتی ہیں وہ خاصی تعداد میں اردو میں ہیں اور کرمنل ریکارڈ میں بھی آج بھی بہت سے اردو الفاظ استعمال کیے جارہے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے کو دوبارہ شروع کرے یا اگر ایسا کرنا اس کے نزدیک قرین مصلحت نہ ہو تو جوڈیشل افسران کو ان کی بھرتی کے بعد اردو کی قانونی اصطلاحات کے بارے میں باقاعدہ تربیت دے اور اردو جاننے والے تربیت کاروں کا تقرر کرے تا کہ وہ documents کی صحیح interpretation کر کے صحیح فیصلہ دے سکیں۔ اسی طرح ان صوبوں میں بھی جہاں جہاں اردو پہلی یا دوسری سرکاری زبان ہے یا جہاں اردو کو کافی لوگ سمجھتے، لکھتے یا پڑھتے ہیں وہاں پر بھی جوڈیشیئری کے امتحانات میں اردو کو شامل کرنے کے امکانات پر غور کیا جانا چاہیے چونکہ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہر زبان اور زبان بولنے والوں کو وہ حق ملے جس کے وہ حقدار ہیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں بھی UGC کی جانب سے اردو ادب میں Junior Research Fellowship کا بھی اہتمام ہے اور اس امتحان کو پاس کرنے کے بعد ریسرچ اسکالرس کو 28 ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے اور اس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہاں پر اردو جاننے والے نوجوان اور برزگ دونوں ہی موجود ہیں۔ میری ان سے گزارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مسابقتی امتحانات میں اردو مضمون لینے کے لیے آمادہ کریں چونکہ

مادری زبان میں اپنے خیالات جتنے بہتر طریقے سے پیش کیے جا سکتے ہیں وہ دوسری زبان میں پیش کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا یا اس میں آپ کو اور بھی زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ آج ہماری حکومت کے ان اداروں کو جن کا کام میڈیا پر نظر رکھنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان خفیہ اداروں کو جنھیں اردو میں لکھے ہوئے دستاویزات کا صحیح مطلب اور صحیح interpretation کرنا ضروری ہوتا ہے انھیں اس کے لیے اردو داں افراد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لیے اچھی خاصی تعداد میں مترجمین کی ضرورت پڑتی ہے جن کی دستیابی کوئی آسان کام نہیں اور اگر اردو کے فروغ کے لیے این سی پی یو ایل یا دیگر اسی طرح کے اداروں نے اور بھی زیادہ active role ادا نہیں کیا تو مستقبل میں ایسے مترجمین ملنا آسان کام نہیں رہے گا جب کہ ضرورت برابر باقی رہے گی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ زیادہ تر مسابقتی امتحانات میں اردو کے پرچوں میں درج ذیل topics کور کیے جاتے ہیں۔ ہم نے یہاں ان موضوعات کی تفصیل درج کی ہے مگر وقت کی کمی کے باعث اس کی مکمل تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔

Jammu and Kashmir Civil Service Examination (Judicial)

دیگر پرچوں کے ساتھ ساتھ پہلے لازمی پرچے میں اردو یا ہندی میں مضمون لکھنا۔

UPSC کے ذریعے منعقد IAS اور دیگر ریاستوں کے ذریعہ منعقد PCS کے امتحانات میں اردو سے متعلق عام طور پر درج ذیل موضوعات کو کور کیا جاتا ہے۔

Paper-I

Answers must be written in Urdu.

Section-A

Development of Urdu language

a) Development of Indo-Aryan

(i) Old Indo-Aryan

(ii) Middle Indo Aryan

(iii) New Indo Aryan

b) Western Hindi and its dialects Braj Bhasha, Khadi Boli, Haryanavi, Kannauji, Bundeli-Theories about the origin of Urdu language

c) Dakhani Urdu-Origin and development, its significant linguistic features.

d) Social and Cultural roots of Urdu language and its distinctive features:

Script, Phonology, Morphology, Vocabulary.

Section-B

a) Genres and their development : (i) Poetry : Ghazal, Masnavi, Qasida, Marsia, Rubai, Jadid Nazm

(ii) Prose : Novel, Short Story, Dastan, Drama, Inshaiya, Khutoot, Biography.

b) Significant features of : (i) Deccani, Delhi and Lucknow schools (ii) Sir Syed movement, Romantic movement, Progressive movement, Modernism.

c) Literary Criticism and its development with reference to Hali, Shibli, Kaleemuddin Ahmad, Ehtisham Hussain, Ale-Ahmad Suroor.

d) Essay writing (covering literary and imaginative topics)

Paper-II

Answers must be written in Urdu.

This paper will require first hand reading of the texts prescribed and will be designed to test the candidate's critical ability.

Section-A

1. Mir Amman: Bagho-Babar
2. Ghalib: Intikhab-e-Khutoot-e Ghalib
3. Mohd. Husain Azad: Nairang-e-Khayal
4. Prem Chand: Godan
5. Rajendra Singh Bedi: Apne Dukh Mujhe Dedo
6. Abul Kalam Azad: Ghubar-e-Khatir

Section-B

1. Mir: Intikhab-e-Kalam-e-Mir (Ed. Abdul Haq.)
2. Mir Hasan: Sahrul Bayan
3. Ghalib: Diwan-e-Ghalib
4. Iqbal: Bal-e-Jibrail
5. Firaq: Gul-e-Naghma
6. Faiz: Dast-e-Saba
7. Akhtar-ul-lmam: Beet-e-Lamhat

اسی طرح UPPSC کے PCS کے امتحان میں مندرجہ ذیل موضوعات کو رکھے جاتے ہیں:

Paper-1

Part A

Development of Urdu Language, Western Hindi and its dialects, mainly Khari Boli, Braj Bhasha, and Haryanvi. Persio-Arabic elements in Urdu. Urdu language from 1200 AD to 1700 AD Different theories of the origin of Urdu language. It includes Development of Urdu literature in Deccan, Two Classicial Schools of Urdu poetry-Delhi & Lucknow. Development of Urdu

prose upto Ghalib It includes Aligarh movement. Romantic trends of progressive movement and their impact on Urdu literatue. Urdu literature after independence.

Part-B

Important genesis of poetry-Ghazal, Qasida, Marsiya, Masnavi, Rubai, Quata, Nazm, Blank Verse, Free Verse, Importance of prose- Dastan, Novel, Short Story, Drama, Literacy Criticism, Biography, Essay, Role of Urdu literature in freedom movement.

Paper-II

Part-A (Prose)

Meer (Amman): Bagh-o-Bahar, Ghalib: Intakhab-e-Khotoot-e-Ghalib, Ed: Dr. Khaliq Anjum. Hali: Muqaddam-e-Sher-o-Shairi. Ruswa: Umrao Jan Ada, Prem Chand: Prem Chand ke Numainda Afsaney, Ed. Prof. Qamar Rais, Abul Kalam Azad: Ghubar-e-Khatir. Imtiaz Ali Taj: Anarkali. Quratul Ain Hyder: Akhir-e-Shab ke Hamsafar,

Part-B (Poetry)

Meer: Intakhab-Kalam-e-Meer, Ed: Abdul Haq. Sauda: Qasaid-e-Sauda (including Hajuviyat) Ghalib: Diewan-e-Ghalib. Iqbal: Kulliyat-e-Iqbal (Bal-e-Gibrail only) Josh Malihabadi: Safi-o-Nagma, Firaq Gorakhpuri: Gul-e-Naghma. Faiz: Nuskhaha-e-Wafa (Naqsh-e-Fariadi, Dast-e-Saba, Zuridamm Nama only). Akhtar-ul-lman: Sar-o-Saman (Treek Saiyara ke Bar, Beet-e-Lamhat only)

سرکاری اور نجی سیکٹر میں
اردو داں افراد کے لیے روزگار کے مواقع

حسن ضیا

زبان بنیادی طور پر انسانی معاشرے میں اظہار خیال، ترسیل اور ربط و ضبط کا ذریعہ ہے۔ زبان اپنی ترقی یافتہ شکل میں ادب اور تہذیب اور فکر و فلسفے کے اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

عام طور پر انسان اپنی مادری زبان کے علاوہ اپنے معاشرے میں رائج زبان یا زبانیں پڑھتا ہے۔ اگر کسی زبان کے سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے سے روزگار کے مواقع میں اضافہ ہوتا ہے تو وہ زبان بالخصوص باعث کشش بن جاتی ہے۔

جہاں تک مادری زبان کا تعلق ہے، اس میں بول چال کی صلاحیت اور مادری زبان پر علمی اور تحریری سطح پر عبور حاصل کرنا دو الگ چیزیں ہیں۔ اگر کوئی زبان ہماری مادری زبان ہے بھی تو بھی اس میں مہارت اور استعداد، دلچسپی، محنت اور باقاعدہ تعلیم کی متقاضی ہے۔

جہاں تک اردو مادری زبان والوں کا یا اردو زبان میں دلچسپی لینے والے طلبا کا تعلق

ہے، سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ہم اردو کیوں پڑھیں؟ اگر اردو ہماری مادری زبان ہے تو اپنے گھر اور گردوپیش کے ماحول کے سبب ہم بول چال کی اردو سے واقف ہو ہی جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو کی تعلیم کا سلسلہ کیوں جاری رکھا جائے؟

عہد حاضر میں جب انسانی زندگی کی ضروریات اور انسان کی مادی خواہشات بڑھ گئی ہیں تو تعلیم کے فروغ کے سبب تعلیم یافتہ افراد کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے اور اکثر سرکاری اور نجی شعبہ میں نوکریاں اس تناسب سے نہیں بڑھ رہی ہیں۔ کسی طالب علم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ایسی بامعنی اور بامقصد تعلیم حاصل کرے جسے مکمل کرتے ہی وہ برسرروزگار ہو سکے اور اپنا ایسا مستقبل تشکیل دے سکے جس میں وہ اچھی زندگی گزار سکے۔

جہاں تک اردو زبان اور روزگار کے مواقع کا تعلق ہے، ہم اکثر یہ سنتے رہتے ہیں کہ ہندوستان میں اردو کو جس صورت حال کا سامنا ہے، اس میں ہمیں اردو لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ روزگار کے حصول کے امکانات کو پیش نظر رکھ کر نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہمارے سامنے اس کی تہذیبی اور ثقافتی اہمیت ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کی مندرجہ ذیل رائے قابل توجہ ہے:

> ''کوئی تعلیم ہنگامی مصلحتوں کی دراندازی کو برداشت نہیں کرسکتی۔ آج اردو کے سلسلے میں یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ اس کے پڑھنے سے بے روزگاری کا مسئلہ حل نہیں ہوتا لیکن یہ بات بڑی دردناک ہے کہ ہم ہر چیز کو ترازو میں تولنے لگے ہیں اور جدھر پلہ جھکتا ہے، خود بھی ادھر جھک جاتے ہیں۔ یہ نقد سودے کا اصول اگر زندگی پر حاوی ہوگیا تو پھر ہم سارے تہذیبی کام بند کردیں گے اور خودفریبی کے نئے نئے ڈھنگ نکال لیں گے۔ یہ رونا اردو ہی کا نہیں بلکہ قومی زندگی کا رونا ہے۔ اس کے پیچھے جو ذہنیت کارفرما ہے، وہ حد درجہ پست، انتشارانگیز اور نقصان دہ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے سامنے زندگی کے وہ اعلیٰ مقاصد نہیں ہیں جو اسے بامعنی اور بامقصد بنادیتے ہیں، ہم زبان وادب کی تنویری قوت

سے بے خبر ہیں اور کل زندگی میں اس کا جو مقام ہے، اس کے شناسا نہیں ہیں۔ میں بڑے ادب سے پوچھتا ہوں کہ کیا انجینئری کے پڑھنے سے بے روزگاری کا مسئلہ طے ہو جاتا ہے؟ کیا نارلیکر اور کھورانہ کے سامنے یہ دقتیں نہیں تھیں؟ بے روزگاری کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم نے سمجھ لیا ہے۔ یہ کسی مضمون کے پڑھنے یا نہ پڑھنے سے طے نہیں ہو سکتا۔ یہ اس سے کہیں زیادہ بڑا معاملہ ہے۔ یہ سارے ملک کی معاشی تنظیم کا مسئلہ ہے، پیداوار اور دولت کی مناسب تنظیم اور تقسیم کا مسئلہ ہے''۔

(چراغ رہ گزر، سنہ اشاعت 1974، صفحہ 149)

خواجہ صاحب نے ان خیالات کا اظہار کم و بیش چالیس برس پہلے کیا تھا۔ آج کی صورت حال نسبتاً مختلف ہے۔ اردو پڑھنے لکھنے کی تہذیبی اور ثقافتی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم اس بنیادی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ روزگار کے امکانات کی حامل بنے بغیر کوئی زبان طلبا کے درمیان اپنی کشش برقرار نہیں رکھ سکتی۔ ہندوستان میں اردو کے حال اور مستقبل کو اس زبان کے ذریعہ روزگار کے مواقع کی دستیابی کے تناظر میں دیکھنا بھی ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فی الوقت ملک میں سرکاری اور نجی سیکٹر دونوں میں اردو کی اسامیاں بہت محدود، کم اور اکثر معاملوں میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

فی الوقت اردو کے ذریعہ اعلیٰ ترین سطح پر سرکاری نوکری حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ سول سروسز کا امتحان ہے۔ 1979 کے بعد یونین پبلک سروس کمیشن نے سول سروسیز کے امتحان کا جو نیا طریقہ اپنایا تھا اس کے تحت ہندوستانی زبانوں کو بطور مضمون اور بطور میڈیم استعمال کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اردو میڈیم سے کلرک بننا بھلے ہی دشوار گزار کام ہو لیکن یو پی ایس سی کے اس نئے نظام نے اردو میڈیم کے ذریعہ اور اردو کو بطور اختیاری مضمون لے کر ملک کی اعلیٰ ترین انتظامی سروس آئی اے ایس کا رکن بننا ممکن بنا دیا۔ اس نئے نظام سے متعدد اہل اردو کو سول سروسیز میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ یہ موقع آج بھی دستیاب ہے لیکن سول سروسیز کے امتحان میں کیونکہ لاکھوں امیدواروں میں سے ہزار بارہ سو لوگ ہی منتخب ہوتے ہیں لہٰذا یہ امتحان

پاس کرنا نہ صرف غیر معمولی ذہانت کا طلبگار ہے بلکہ سخت محنت طلب کام بھی ہے۔

اگر ہم حکومت ہند میں دستیاب اردو اسامیوں کی بات کریں تو اس سے قبل یہ بات ذہن نشیں رکھنی ضروری ہے کہ بالخصوص گزشتہ تقریباً پندرہ برسوں سے سرکاری نوکریوں کے لیے ہونے والی بھرتی میں کافی کمی آئی ہے، بڑی تعداد میں خالی اسامیاں ختم کردی گئی ہیں اور اب سرکاری دفاتر میں بیشتر کام نجی بھرتی کمپنیوں کے ذریعہ لائے گئے معاہدے پر کام کرنے والے یا کیزول لوگ کررہے ہیں۔

مرکزی محکموں میں اردو کی سب سے زیادہ اسامیاں وزارت اطلاعات ونشریات میں ہیں۔اس وزارت کی مختلف یونٹوں مثلاً دوردرشن، آل انڈیا ریڈیو، پریس انفارمیشن بیورو، پبلی کیشنز ڈویژن میں اردو کے ادارتی عملے، افسران اوراسٹاف کی باقاعدہ اسامیاں ہیں گوکہ اب زیادہ تر جگہوں پر افسران اور عملے کے ریٹائر ہونے کے بعد نئے تقررات کم ہوئے ہیں اور کیزول اسٹاف سے کام چلایا جارہا ہے۔دوردرشن میں ڈی ڈی اردو چینل، دوردرشن کے اردو خبروں کے محکمے، آل انڈیا ریڈیو کے نیوز سروسز ڈویژن نیز پروگرام شعبہ میں اردو داں عملہ بہت کم لیکن یہاں معاہدے کی بنیاد پر یا کیزول بنیاد پر بڑی تعداد میں اردو داں حضرات برسرکار ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو دہلی سے اردو کے تین بڑے بلیٹن نشر کیے جاتے ہیں جو صبح میں خبرنامہ اور دوپہر اور رات میں خبریں کے زیرعنوان نشر ہوتے ہیں۔آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کی نشریات 24 گھنٹے جاری رہتی ہیں۔

اس کے علاوہ اردو میں علاقائی خبریں بھی نشر ہوتی ہیں جو آل انڈیا ریڈیو کے اورنگ آباد، حیدرآباد، لکھنؤ، مراکز سے نشر کی جاتی ہیں۔سری نگر اسٹیشن سے دن میں تین مرتبہ اردو خبریں نشر ہوتی ہیں۔

پریس انفارمیشن بیورو حکومت ہند میں اردو کا باقاعدہ شعبہ تھا جہاں کسی زمانہ میں ایک انفارمیشن افسر، تین نائب انفارمیشن افسران، پانچ انفارمیشن اسسٹنٹ، تین اردو کاتب اور ایک اردو ٹائپسٹ کی اسامیاں خالی تھیں۔ ماضی میں جگن ناتھ آزاد، علی جواد زیدی، جی ڈی چندن، م۔ک۔مہتاب، خواجہ عبدالخالق وغیرہ اس شعبہ کے سربراہ رہ چکے ہیں۔موجودہ دور میں

پی- آئی- بی کے اردو شعبہ میں صرف ایک افسر ہے۔ بقیہ یہاں ریگولر اسٹاف نہ ہونے کے سبب کیزول اردو داں اسٹاف کام کرتے ہیں اور روزانہ کم از کم 25-20 پریس ریلیز اردو میں جاری کی جاتی ہیں جو پہلے اخبارات کے دفاتر میں خصوصی میسنجر زلے کر جاتے تھے۔ اب یہ پریس ریلیز پی آئی بی کی ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

پبلی کیشنز ڈویژن میں بھی اردو کی کافی اسامیاں تھیں۔ آج بھی یہ ادارہ آجکل (اردو)، یوجنا (اردو) اور روزگار سماچار (اردو) جیسے رسائل اور اردو کی کتابیں شائع کرتا ہے جن میں باقاعدہ ادارتی افسران بھی ہیں اور عملہ بھی۔ اس کے علاوہ یہاں اردو مترجم کی حیثیت سے کام کرنے والوں کو بھی روزگار ملتا ہے۔

ڈی اے وی پی (DAVP) میں بھی سرکاری اشتہارات اردو میں جاری کرنے اور اردو اخبارات کو سرکاری اشتہارات کے لیے منظور کرنے اور سرکاری اشتہارات جاری رکھنے کے لیے اردو اخبارات کی فائلوں کی جانچ اور نگرانی کے لیے اردو داں عملہ درکار ہوتے ہیں۔

رجسٹرار آف نیوز پیپرس آف انڈیا کے دفتر میں اس وقت تقریباً 6800 اردو اخبارات و رسائل رجسٹرڈ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں اردو اخبارات و رسائل ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتے کیونکہ ان میں سے بیشتر اخبارات و رسائل محض برائے نام وجود رکھتے ہیں لیکن اس دفتر میں بھی اردو اخبارات کی نگرانی کے لیے اردو عملہ درکار ہیں۔

مرکزی وزارتوں میں وزارت قانون ایک ایسی وزارت ہے جہاں ایڈیشنل لیجسلیٹو کاؤنسل (اردو)، ڈپٹی لیجسلیٹو کاؤنسل (اردو)، اسسٹنٹ لیجسلیٹو (اردو)، اسٹینو گرافر (اردو) جیسی اسامیاں ہوتی ہیں۔ وزارت قانون میں علاقائی زبانوں کا ایک ورکنگ گروپ بھی ہے جو مختلف قوانین کے علاقائی زبانوں میں تراجم اور علاقائی زبانوں میں قانونی اصطلاحات کے ترجمے سے متعلق کام دیکھتا ہے۔

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں اردو انٹر پریٹر اور اردو اسٹینو گرافر کی اسامیاں ہیں۔

وزارت فروغ انسانی وسائل کے تحت قومی اردو کونسل ایک خود مختار ادارہ ہے جو اردو

زبان وادب کے ہمہ گیر فروغ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ اردو کے فروغ سے متعلق حکومت ہند کا سب سے بڑا ادارہ ہے اور اس ادارے میں براہ راست اور بالواسطہ اردو داں افراد کو بڑے پیمانے پر روزگار کے مواقع دستیاب ہوتے ہیں۔

وزارت فروغ انسانی وسائل کے تحت ادارے این سی ای آر ٹی میں بھی درس وتدریس اور نصابی کتابوں کے ترجمے اور اشاعت سے بھی اردو داں افراد کے لیے روزگار کے مواقع ملتے ہیں۔ نیشنل آرکائیوز میں بھی اردو اور فارسی داں عملے کی چند اسامیاں دستیاب ہیں۔ جہاں تک مرکزی حکومت کے تحت پبلک سیکٹر اداروں کا تعلق ہے، یہاں اردو کی اسامیاں نہیں ہیں۔

ریاستی حکومتوں کی سطح پر اردو کی تدریسی اسامیوں کے علاوہ بعض ریاستوں کے محکمہ رابطہ عامہ اور محکمہ اطلاعات میں اردو کی اسامیاں ہیں۔ بعض ریاستوں کے محکمہ اطلاعات اردو کے ماہانہ رسائل بھی شائع کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب پہلے جیسا نہیں رہا اور آج بعض ریاستی حکومتوں نے اپنے اردو رسائل بند کر دیے ہیں لیکن حکومت اتر پردیش کے ماہنامے 'نیا دور' کی مثال دی جاسکتی ہے جو مقبول اور معتبر رسالوں میں شمار ہوتا ہے۔

ریاستی اردو اکادمیاں بھی اردو داں افراد کے لیے سرکاری نوکریوں کے حصول کا ذریعہ فراہم کرتی ہیں لیکن فی الوقت بھرتیاں کم ہونے کے سبب بیشتر اسامیاں خالی ہیں۔

اگر نجی شعبہ میں اردو کے تعلق سے روزگار کے مواقع پر نظر ڈالیں تو نجی شعبہ میں سب سے زیادہ ضرورت اردو مترجمین کی ہے۔ بعض بین الاقوامی اداروں کے لیے بھی انٹرنیٹ کی سہولت سے گھر بیٹھے کام کیا جاسکتا ہے۔ اردو کے اخبارات ورسائل میں بڑی تعداد میں اردو داں لوگوں کو ادارتی عملے، سرکولیشن اور کمپیوٹر کمپوزنگ کے محکموں میں نوکریوں کے مواقع ہیں۔

ملک میں بالعموم روزگار کے جو مواقع دستیاب ہیں ان کے وسیع تر تناظر میں ہی اردو روزگار کے مواقع کو دیکھا جانا چاہیے۔ عالمیت (Globalization) اور نئی ٹیکنالوجی نے آج ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کی طرف سے توجہ ہٹا دی ہے اور انگریزی پڑھنے کی جانب رجحان بڑھ رہا ہے۔ دوسری جانب سرکاری نوکریوں میں کمی اور بھرتی میں آئی کمی کے سبب مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے دفاتر میں اردو کی اسامیاں جو پہلے سے ہی بہت کم تھیں وہ اور بھی کم رہ گئی ہیں لیکن جو اسامیاں اور مواقع فی الوقت دستیاب ہیں ان کو حاصل کرنے کے لیے اردو کے طلبا کو بھرپور محنت کرنی چاہیے۔

قانونی افسران و پیشہ وران اور اردو

سید ساجد علی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے آج ہندوستان میں اردو کی دستوری اور قانونی حیثیت پر یہ سیمینار منعقد کیا ہے اور راقم الحروف کو جو عنوان دیا گیا ہے وہ نہایت مختصر ہو گیا ہے، عنوان ہے ''قانونی افسران و پیشہ وران اور اردو''۔

(Role of Urdu for Law officers & Legal professionals)

جب ہم ماضی میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو اردو زبان خواہ آج اس کی اپنی قانونی حیثیت وہ نہ رہی ہو لیکن جزوی طور پر اردو آج بھی قانون اور اس کے کاموں میں اپنا ایک مقام رکھتی ہے اور اپنا کردار بخوبی نبھا رہی ہے۔

اردو کے درجہ اوّل یا اس کی قانونی حیثیت کو سمجھنے کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم اختصار سے قانون اور اردو کا تعلق کس طرح اور کیسے پلا بڑھا اور پنپا اس پر نظر ثانی کریں گے تو یقیناً ہم اپنے موضوع کو بہت قریب سے سمجھ پائیں گے۔

اردو دراصل ترکی لفظ (اورڈو) یا اورڈا سے بنا ہے جس کے لفظی معنی فوج کے ہیں۔

ہندوستان میں عرب عربی زبان لائے، مغل فارسی زبان لائے، انھیں عام لوگوں سے بات کرنے میں اور اپنا مافی الضمیر بتانے میں دقت ہوتی تھی۔ دھیرے دھیرے یہاں بولی جانے والی زبان، جس میں سنسکرت اور ہندوستانی جسے اس زمانے میں کھڑی بولی کہا جاتا تھا اس کے ساتھ مل کر ایک عام فہم زبان نے جنم لیا جس کو بعد میں اردو کا نام دیا گیا۔

دہلی سلطنت کے دور میں (1206-1526 AD) میں اور اس کے بعد 1526-1858 تک مغلیہ دور میں اردو کا ارتقائی سفر شروع ہو گیا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ کھڑی ہندوستانی بولی جس کا رسم الخط دیوناگری تھا اردو کے ساتھ مخلوط ہوگئی جبکہ اس کا رسم الخط فارسی تھا۔

1858 میں جب ہندوستان میں برٹش حکومت قائم ہوگئی تھی تب بھی سارا سرکاری کام اردو اور انگریزی میں ہوتا تھا۔ تمام عدالتوں میں، اسکولوں میں اور سرکاری دفاتر میں اردو کا ہی استعمال ہوتا تھا۔ دلچسپ حقیقت ہے کہ 1880 کے زمانے میں اگر ایک ہندو اردو بولتا تھا تو وہ ہندی کہی جانے لگی اور یہی اردو کوئی مسلم بولتا تھا تو اردو کہی جانے لگی۔

1900 کے اوائل میں ہندی اردو کنٹروورسی (Controversy) کو بڑھاوا دیا گیا۔ بابو شیو پرساد اور مدن موہن مالویہ ایک جانب تھے تو سرسید احمد خاں دوسری جانب اردو کی حمایت کرتے نظر آئے۔ 1900 میں برٹش گورنمنٹ نے اردو اور ہندی کو برابر کی حیثیت دے دی جس کی مسلمانوں نے مخالفت کی اور ہندوؤں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ ہندی سنسکرت سے زیادہ متاثر ہوتی گئی۔ اس سلسلے میں گاندھی جی نے بہت کوشش کی کہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے اور اردو فارسی یا دیوناگری انداز میں لکھی جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا کہ ہندی اور اردو مل کر ہندوستانی زبان بن کر دیوناگری یا ہندی رسم الخط میں لکھی جائے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد 1950 میں ہندی اور انگریزی نے سرکاری زبان کی شکل اختیار کر لی۔

اس وقت اردو ہندو اور مسلم دونوں مذاہب میں مقبول تھی لیکن کچھ لوگ اردو کے رسم الخط کو لے کر اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ سمت سرکار نے اردو کے بارے میں لکھا ہے کہ 1800 سے 1900 تک اردو بہت مقبول زبان رہی، اس دور میں ہندی کے جتنے اخبار نکلتے تھے اس سے دوگنے اردو کے اخبار نکلتے تھے اور ہندی کے مقابلے اردو کی کتابیں 55% زیادہ شائع ہوتی

تھیں۔ منشی پریم چند نے 1915 تک اردو میں ہی لکھا اس کے بعد جیسے جیسے اردو اشاعت میں دقتیں بڑھیں انھوں نے اردو میں لکھنا کم کر دیا۔

پروفیسر پال ایل براس نے اپنی کتاب ''Language, Religion & Politics in North India'' میں ہندی اردو کے بیچ بڑھتی دوریوں کے سلسلے میں بہت مفصل طور پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ہندوستان میں سب سے پہلے ریاست بھوپال میں اس وقت کی حکمراں خاتون نواب سکندر بیگم نے 1859 میں اردو کو سرکاری زبان قرار دیا۔ ریاست کے قوانین وضع کیے اس لیے ان کا عہد آئینی عہد کہلاتا ہے۔ 1867 میں آگرہ اور اودھ میں ہندی کو سرکاری زبان بنانے کی مانگ زور پکڑنے لگی۔ بابو شیو پرساد نے جو کہ بنارس سے تھے دیوناگری رسم الخط کی پرزور وکالت کی۔ 1897 میں مدن موہن مالویہ جی نے بھی کورٹ کیریکٹر اینڈ پرائمری ایجوکیشن شمالی مغربی صوبوں اور اودھ کو لے کر لکھی، جس کے ذریعے ہندی کی بھرپور وکالت کی گئی تھی۔

غرض یہ کہ چھوٹے بڑے مختلف ذرائع سے ہندی کی مانگ زور پکڑتی گئی اور ہندی اور انگریزی نے اردو کی جگہ لے لی۔

ادھر انجمن ترقی اردو اور سرسید احمد خاں نے اردو کی پرزور وکالت کرتے ہوئے اردو کو وسیع زبان جس میں خوبصورتی سے کم لفظوں سے جذبات کی عکاسی کی جاسکتی ہے، ساتھ ہی کم وقت میں زیادہ لکھنے کی صلاحیت کی بنا پر اردو کو بہتر بنانے کی کوشش کی لیکن ہر طرف انقلاب آرہا تھا اور اس انقلاب نے آخر اردو کو بھی ملک بدر کر دیا۔

آزاد ہندوستان نے دستور ہند کے آرٹیکل 343 کے ذریعے ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کیا اور ضرورت کے اعتبار سے 15 سال کے لیے انگریزی کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کر لیا گیا۔ آرٹیکل 347 کے ذریعے صدر جمہوریہ اگر مطمئن ہوں کہ کسی صوبے کی مناسب تعداد ایسی کسی زبان کو جو اس خطے میں عام طور پر بولی جاتی ہے اسے بھی سرکاری زبان کے زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے اور پورے صوبے کے لیے یا کسی خاص علاقے کے لیے ایسی ہدایات جاری کی جاسکتی ہیں۔

صوبوں میں مختلف مقامی زبانوں کو پہلی، دوسری اور تیسری زبانوں کی شکل میں منظور کیا

گیا ہے اس کے لیے دستور ہند کے آٹھویں شیڈول میں بولی جانے والی زبان اور اس کے بولنے والوں کی تعداد کے مطابق اردو کو جموں وکشمیر، تلنگانہ، جھارکھنڈ، دہلی، بہار اور اتر پردیش میں 51.5 کروڑ تعداد بتائی گئی ہے جو 2000 کے اعداد شمار پر مبنی ہے۔

جہاں تک صوبے کی عدلیہ کا سوال ہے، دستور کے مطابق عدالتی زبان ہندی ہوگئی۔ لیکن اگر صوبے کا گورنر اس صوبے کی چنی ہوئی سرکار کی منشا کے مدنظر حکومت ہند کے صدر مملکت سے رجوع کرے جو حکومت ہند سے مشورہ کے بعد سرکاری زبان کون سی ہو جس میں فیصلے صادر کیے جائیں، اس کا فیصلہ لیں گے۔

مندرجہ بالا اردو اور اس کی سرکاری حیثیت کو لے کر تبصرہ کیا گیا تھا، اب زیر غور ہے کہ اردو کا رول لا آفیسرز اور لیگل پروفیشنلز کے لیے کیا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ مشہور قانون کے ماہرین کے اردو کے بارے میں تاثرات کا اظہار کرنا عین مناسب ہوگا۔

جسٹس آنند نرائن ملا ہندوستان کے قانون دانوں میں سرفہرست نام ہے۔ ابھی دو دن قبل مجھ سے خالد عابدی جو ایک مشہور ادیب ہیں انھوں نے اس شعر کو چکبست سے منسوب کیا لیکن خود میں نے اس شعر کے بارے میں جب آنند نرائن جی سے تذکرہ کیا تھا تو انھوں نے اسے اپنا شعر ہونے سے انکار نہیں کیا تھا گو کہ اقرار بھی نہیں کیا۔

کیا سمجھتے ہو حضرت اردو و ہندی میں فرق
بھنگ کے کلہڑ کہاں صہبا کے پیمانے کہاں

ابھی کچھ عرصہ قبل بھوپال میں جسٹس مارکنڈے کاٹجو کا اشوکا ہوٹل میں ایک پروگرام ہوا۔ اس کے دوران انھوں نے جو اظہار خیال کیا تھا وہ اپنے آپ میں بہت اہم ہے جس کا ہو بہو یہاں تذکرہ کرنا حق بجانب ہوگا۔

انھوں نے فرمایا کہ ''میری تعلیم کیمبرج اور آکسفورڈ میں ہوئی ہے، میں نے ورڈس ورتھ، کیٹس، شیکسپیئر کو پڑھا ہے اور انگریزی زبان میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ لیکن اردو جیسی مٹھاس دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ اردو میں نزاکت، نفاست، جذبات کی صحیح عکاسی، لفظوں کے پیچ وخم غرض کہ ہر ادا اس کی نرالی ہے اور ان کی ادائیگی کا جو حق اردو کو ہے وہ کسی جگہ انگریزی کو بھی نہیں

ہے۔ یہ خیالات کسی عام آدمی کے نہیں بلکہ انگلش اسکالر کے ہیں جو کہ سپریم کورٹ کے جسٹس کی پوسٹ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

جسٹس فیضان الدین صاحب جو کہ سپریم کورٹ سے ریٹائر ہوئے ہیں، وہ مدھیہ پردیش کے لوک آیکت بھی رہے ہیں۔ان کے قول کے مطابق اردو کے بہت سے الفاظ جو مغلیہ دور حکومت میں بولے جاتے تھے بعد میں برٹش حکومت میں بھی وہ جوں کے توں رائج رہے اور انگریزی زبان نے انھیں اپنالیا اور وہ آج بھی رائج ہیں۔ کیونکہ وہ آسان اور عام فہم ہیں اور ہر قوم میں بکثرت بولے جاتے ہیں، وہ لوگ جو عدالتوں میں پیروکاری یا پیروی کرتے ہیں وہ اردو کا گوناں گوں استعمال کرتے رہتے ہیں۔مثال کے طور پر سیل، سکہ، منشی، مہر، پیشکار، مذکوری وغیرہ کا چلن نہ صرف یہ کہ مضافاتی عدلیہ میں ہوتا ہے بلکہ ہائی کورٹس میں اور یہاں تک کہ سپریم کورٹ میں ان کا جوں کا توں استعمال ہوتا ہے۔ متعلقہ، موضع، تعلقدار جیسے مشکل لفظوں کا استعمال تھانوں، کچہریوں اور دیگر دفاتر میں ہوتا رہتا ہے، بول چال میں اردو کا استعمال سب سے زیادہ عدالتوں میں ہوتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اردو دراصل ہندوستان کی زبان ہے جو ان کی زندگی میں رچی بسی ہے۔

جسٹس فخر الدین صاحب جو آج کل سپریم کورٹ میں وکالت کر رہے ہیں، ان کے مطابق:

> ''عدل و انصاف میں اردو زبان کا باوقار مقام تھا اور آج بھی ہے۔ منصف اور قاضی کو جن القاب و آداب سے پکارا جاتا تھا، اس کا الگ انداز تھا اور اس ماحول میں عدالت عالیہ کے فیصلہ کی عزت وقدر، آدابِ وکالت، بحضور عدالت اپنا الگ انداز گفتگو، قانون کی بالادستی کی ضمانت ہوتی تھی آج وہ دن کہاں؟''

جسٹس انوار صدیقی مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے مطابق:

> ''مغلیہ دور حکومت میں عربی، فارسی کا چلن تھا۔ دھیرے دھیرے مقامی

زبانوں کے ساتھ مل جل کر بالخصوص برج بھاشا جس کو اگر اردو کی ماں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا سے اردو نے جنم لیا جس میں عربی، فارسی، سنسکرت، برج بھاشا کے ساتھ مل جل کر اردو زبان نے جنم لیا، برٹش دور حکومت میں بھی یہ زبان رائج رہی اور عدالتوں اور روزمرہ کی بول چال میں اردو کا استعمال عام طور سے کیا جاتا رہا اور یہاں تک کہ ایسے علاقوں جہاں مسلم آبادی نہ کے برابر تھی یا وہ ریاستیں جن میں راجے مہاراجوں کی حکومت تھی وہاں بھی اردو کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ یہی نہیں آج بھی ان ریاستوں کے کام کاج میں اردو کے الفاظ کا چلن دفاتر، کچہری، عدالتوں میں ہوتا ہے جیسے گوالیر میں ریونیو کوڈ کو قانون مال کہا جاتا ہے، استغاثہ، مہر، حکم، فیصلہ، تاریخ، ضلع، تحصیل، تحصیلدار، ناظم، نظامت، ضمانت، ضمانت دار، فرد جرم عائد کرنا، جائداد منقولہ وغیر منقولہ جیسے ثقیل لفظ بھی زیر استعمال ہیں جنھیں دیوناگری رسم الخط میں لکھا جاتا ہے اور عدالتوں میں بکثرت بولا جاتا ہے کیونکہ وہ عام فہم ہیں۔''

جب ہم اردو کی معاونت یا رول کی بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آج جب 2017 کے اپریل کے ماہ میں اردو کے تعلق سے لا آفیسز اور لیگل پروفیشنلز کے بارے میں غور کرتے ہیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ آج بھلے ہی دیوناگری میں عدالتی کارروائی لکھی جارہی ہے لیکن عدالتوں میں اردو پوری شدومد کے ساتھ ہر ہر قدم پر عدالت کی ہر کارروائی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جیسے عدالت، یہ ایک عام فہم لفظ ہے جس کو ہر کس و ناکس قابل اور جاہل بولتا ہے اور سمجھتا ہے۔ مقدمہ، دیوانی، فوجداری، یہ اردو کے الفاظ ہیں جو بکثرت بولے جاتے ہیں۔

اسی طرح منصف، قانون گو، وکیل، دلیل، پیروکار، پیروی، پیشی، مجال، نان ونفقہ، اہل کار، عرائض نویس، دفعات اور اصل باقی نویس، روزمرہ عدالتوں میں بولے اور استعمال کیے جانے والے عام فہم لفظ یا اصطلاحات ہیں۔ عدالت اور اس کے قوانین سے جڑے ہوئے کئی محاورے اور ضرب الامثال بھی ہیں۔

بیان، پیشی، مثل، تسمہ، تحریر، سنوائی، بحث، جرح، دلیل، فیصلہ، حجت، جرم، وجہ جرم، فرد جرم عائد کرنا وغیرہ وغیرہ یا جیسے پیشکار، خون آلودہ، تاریخ، منشی، نظارت، ناظر، مدعی، مدعا علیہ، مدعا ان اصطلاحات کا استعمال عدالتی کارروائیوں میں عام ہے۔

اسی طرح شکایت، روزنامہ، نالش، مسمی مسمات، پرچہ ضبطی، ضبطی پنچ نامہ، پنچایت نامہ نعش، نزاعی بیان، شناختی کارروائی، اقبال جرم یا اقبالیہ بیان، سفینہ فارم، مخبر، آلۂ زر، آلۂ قتل، قاتل، مقتول، وجہ جرم جیسے الفاظ ہر ہر قدم پر بولے اور استعمال کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسقاط حمل، خودکشی، قتل، نقب زنی، امانت میں خیانت، رشوت، گواہ، ثبوت، حبس بیجا، فریاد، فریادی، ماخوذ، فرد جرم عائد کرنا، ملزم، مجرم، قضیہ ایسے نہ جانے کتنے اور کس قدر الفاظ وکیل صاحبان کی نوک زبان پر رہتے ہیں۔ خواہ وہ سرکار کی جانب سے پیروی کر رہے ہوں یا عوام الناس کی جانب سے۔ شاعروں نے عدلیہ اور دیگر قوانین کی اصطلاحات کو نظم میں بھی شامل کیا ہے۔ نواب سکندر بیگم کے دور میں بھوپال کے ایک شاعر منشی بٹولال ساحر کی ایک نظم ''انتظام پیمائش متفرق'' اس کا دستاویزی ثبوت ہے☆۔

کرے جا کے ناظم[1] نے پیمود خام[2] نکاسی اور خسرہ ملایا تمام
کرامت سے پگرس[3] دیے پنج سال کہ رسدی[4] اضافہ بچھا سال سال
ضرب[5] خوب سی تو چلایا ڈبل[6] چلایا تھا ایسا نہ پیسا قبل[7]
چلائے تو اوزان کل ملک میں لیا زر مصارف کا آسان سیں[8]
ریاست کے تونے جو حصے کیے تو شرقی، جنوبی و غربی ہوئے[9]
کیا نظم سنگین ناظم بٹھا نکالا غبن جیسے مکھن مٹھا
یکا یک بندوبست کُل کا کیا بدوں کو ریاست سے خارج کیا

اردو کا استعمال ہر ہر قدم پر بلا جھجک کے کیا جا رہا ہے۔ کیا جاتا رہے گا چاہے اردو کی کتنی مخالفت یا موافقت ہو۔ اردو عرف عام کی زبان ہے، عدالت کی زبان ہے، وکیلوں کی زبان ہے، عام ہندوستانی کی زبان ہے۔

اپنی بات کو اختتام پر پہنچانے سے قبل میں مرزا اسداللہ خاں غالب کے اس شعر کی

جانب آپ کی توجہ دلاؤں گا جو ایک تاریخی شعر اور جو شاید غالب نے مغلیہ دربار میں جن حالات کے مدنظر پڑھا تھا، آج کے موضوع اور حالات پر اس وقت یہ شعر عین مناسب ہے۔

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

☆ بحوالہ ''اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ'' از ڈاکٹر سلیم حامد رضوی صفحہ:169

1 حاکم ضلع جسے دوسری جگہ کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر کہتے ہیں۔

2 مواضع جن کا بندوبست مستقل نہیں تھا۔

3 تشخیص مالگواری کا وہ طریقہ جس کے مطابق سال اوّل میں جمع چند سالوں میں بتدریج اضافہ ہو کر مدت معینہ کے اختتام پر کامل جمع قابل وصول ہو جائے۔

4 عام بول چال کے مطابق رسدی کے سین کو بجائے متحرک کے ساکن باندھا ہے۔

5 ٹکسال

6 بھوپالی پیسہ

7 وزن و قافیہ کی رعایت ہے۔

8 باٹ کم قیمت پر عوام کو دیے۔

9 ریاست کو تین ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

کارپوریٹ سیکٹر میں اردو کی اہمیت

سعود احمد

تجارتی اداروں کے لیے اپنے Clients، ساتھی تجارت کاروں اور اپنی تجارت کے فروغ اور اس کی تشہیر کے لیے زبان انتہائی اہم رول ادا کرتی ہے چونکہ یہ Communication کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔ زبان کے ذریعے کوئی بھی تجارتی ادارہ اپنی پروڈکٹس کی تشہیر اس زبان میں کرنا ہی بہتر سمجھتا ہے جو زبان اس کے کلائنٹس یا گاہکوں کو آتی ہے۔ جہاں تک اردو کی بات ہے اردو آج بھی نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے دیگر ممالک بشمول خلیجی ممالک میں بولی جاتی ہے۔ کوئی بھی کمپنی اگر اپنی مصنوعات کی تشہیر کسی شخص کی مادری زبان میں کرتی ہے تو اس کا متعلقین پر بہتر اثر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص اپنی مادری زبان میں کسی بھی بات کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

عالمگیریت کے اس دور میں ہم ایک اینٹ کی دیوار نہیں کھڑی کر سکتے۔ ہمیں دوسرے ممالک کی سرکاروں اور نجی اداروں سے بھی اپنے معاملات طے کرنے ہوتے ہیں، گفت وشنید کرنی ہوتی ہے اور اپنی بات ایسی زبان میں سمجھانی ہوتی ہے جو فریق متعلق سمجھ سکے۔ اس کے لیے

ہمیں یا ہمارے نمائندوں کو زبان پر عبور ہونا ضروری ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمیں درج ذیل امور کے لیے بھی متعلقہ زبان میں مواد تیار کرنا ہوتا ہے۔ یہ مواد اکثر انگریزی میں ہوتا ہے اور اس کا بعد میں ملک کی دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا ہے۔

پروڈکٹس کی مارکیٹنگ سے متعلق مواد

دوا بنانے والی کمپنیوں کے ذریعہ دواؤں کی خصوصیات، ان کے فوائد اور
مضر اثرات وغیرہ سے متعلق مواد

تکنیکی اشیا کی کارکردگی اور ان کی خصوصیات سے متعلق لٹریچر

تجارتی امور سے متعلق مواد

معاہدات کے نمونہ جات کی تیاری

مالیاتی امور سے متعلق مواد

مختلف اسکیموں کی تفاصیل

ویب سائٹس کی تیاری

قانونی امور سے متعلق مواد

عالمگیریت کے اس مسابقتی دور میں کاروباری زبان پر مہارت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی تجارتی ادارہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ چونکہ متذکرہ بالا اغراض میں سے کسی بھی غرض کے لیے کوئی بھی مواد تیار کرنا ہو تو وہ یقینی طور پر ایسی زبان میں تیار کرنا ہوتا ہے جو معیاری ہو اور قابل قبول بھی ہو۔ اگر ایک فریق کو دوسرے فریق سے کوئی معاہدہ کرنا ہے تو وہ فریق ثانی کو اپنی گفت وشنید سے متاثر کر کے ہی ایسا کر سکتا ہے چونکہ کسی بھی معاہدے کی بابت دوسرے فریق کو Convince کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی کاروباری یا صنعت کار اپنی بات متعلقین تک صحیح زبان میں نہیں پہنچا پاتا ہے تو اس کی بکری بھی کم ہو جائے گی، نفع بھی کم ہوگا اور اس کے کاروبار کا مزید فروغ بھی رک جائے گا۔ مان لیجیے کہ کسی کمپنی میں اردو جاننے والے ملازمین کی تعداد اچھی خاصی ہے تو وہاں پر یہ ضروری ہے کہ وہاں کے منیجر و دیگر اسٹاف اردو کی جانکاری حاصل کریں۔ اس طرح وہ اپنے ماتحت ملازمین، سپروائزرس اور کلائنٹس سے بڑے آرام سے بات

کرسکیں گے۔اس بات سے ہم اچھی طرح واقف ہیں کہ ملک کے مختلف حصوں میں ذیلی تکنیکی شعبوں میں کام کرنے والے افراد میں اردو جاننے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بہت سی کمپنیوں کے لیگل نوٹس اردو میں شائع ہوتے ہیں عام طور سے کمپنیاں یہ نوٹس اخبارات کو انگریزی میں بھیجتی ہیں اور اخبارات ان کا ترجمہ اردو میں کراتے ہیں اس کے لیے اخبارات چلانے والے اداروں میں باصلاحیت مترجمین کا ہونا ضروری ہے۔اس کے علاوہ کمپنیوں کو خاص کر بینکوں کو اپنی وصولیابی کے سلسلے میں بہت سی ایسی دستاویزات سے واسطہ پڑتا ہے جو اردو میں ہوتی ہیں یا اگر اردو میں نہیں ہیں اور دیوناگری رسم الخط میں ہیں تو بھی ان میں بہت سے اردو کے الفاظ ہوتے ہیں۔ان دستاویزات کو پڑھنے اور سمجھنے میں کافی دقت پیش آتی ہے۔آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جب ہم اپنی روزمرہ کی اشیا بازار سے خریدتے ہیں تو ہمیں اکثر ان اشیا کے بارے میں تفصیلی مواد مختلف زبانوں میں بشمول اردو ملتا ہے۔اسی طرح ہماری فلم انڈسٹری جو ایک بہت بڑی انڈسٹری ہے اس میں بغیر اردو جانے کام چل ہی نہیں سکتا اور اس انڈسٹری سے وابستہ لگ بھگ سبھی لوگوں کو خاص طور سے اداکاروں، موسیقاروں، نغمہ نگاروں کو اردو جاننا ضروری ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے فلم انسٹی ٹیوٹ پنے میں تربیت لینے والے افراد یقینی طور پر اردو سیکھتے ہیں اور کون سا ایسا اداکار ہے جسے ہماری فلم انڈسٹری میں عروج حاصل ہوا ہو اور اسے اردو نہ آتی ہو یا اس نے اردو نہ سیکھی ہو خواہ اسے لکھنی آئے یا نہ آئے۔تفریح طبع کے تمام پروگراموں کے لیے اردو کی جانکاری انتہائی ضروری ہے چونکہ اردو اتنی پیاری زبان ہے کہ اس کے بغیر کوئی بھی پروگرام عام طور سے کامیاب نہیں ہوسکتا۔یہی وجہ ہے کہ اب ہندی اور اردو کے پروگرام ایک ساتھ ہونے لگے ہیں۔

Practicing Journalism کے لیے آج اردو جاننا بے حد ضروری ہے ورنہ ہمارا ایک زبان کا صحافی 'وبال' کہے گا تو دوسری زبان کا صحافی اسی لفظ کو 'بوال' کہے گا۔ویسے بھی صحافیوں کے لیے تو زیادہ سے زیادہ زبان کی جانکاری ہونی ضروری ہے۔چونکہ ان کا ہر شعبۂ حیات سے متعلق رپورٹنگ سے واسطہ پڑتا ہے۔مان لیجیے کہ کمپنی کا کوئی نمائندہ ہائی کورٹ میں اپنے مقدمے کے سلسلے میں موجود ہے اور عدالت اس کے مقدمے کے ایڈمیشن کے وقت ایک چھوٹا سا لفظ Rule

لکھ دیتی ہے تو وہ یہ سمجھ ہی نہیں پائے گا کہ عدالت نے کیا آرڈر دیا ہے۔ کبھی کبھی عدالت کسی بھی پٹیشن کو ایڈمٹ کرتے وقت Rule DB لکھ دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ پیٹشن ایڈمٹ ہوگئی یعنی بغرض سماعت منظور ہوگئی اور اسے اب ڈویژن بینچ سنے گا۔ آج ہمارے ملک میں اردو کے فروغ سے متعلق کافی کام ہو رہے ہیں اس میں NCPUL، اردو اکادمیاں اور مرکزی و ریاستی سرکاروں کے مختلف ادارے سرگرم عمل ہیں۔ انھیں اپنے پروگراموں سے متعلق اردو میں ویب سائٹس بھی بنوانی پڑتی ہیں۔ Digitalization کے اس دور میں یہ کام بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہی ہیں کہ نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ بین الاقوامی پیمانے پر بڑے بڑے اسکینڈلس ہو رہے ہیں اور دھوکہ دہی کے ایسے بہت سے معاملات ہمارے سامنے آرہے ہیں جن میں ہمارے تجارتی ادارے ملوث ہوتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات کی تفتیش کرتے وقت ہمارے سامنے بہت سی ایسی دستاویزات آتی ہیں جو اردو میں ہوتی ہیں مگر ان کے نفس موضوع کو جاننا کسی بھی معاملے کو نمٹانے کے لیے اشد ضروری ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ان کاغذات کی نوعیت رازدارانہ اور خفیہ ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ہمیں اردو جاننے والے ایسے افسران کو تلاش کرنا ہوتا ہے جو ان دستاویزات کو پڑھ کر یہ بتا سکیں کہ ان میں کیا لکھا ہے اور بات باہر تک بھی نہ پہنچے۔ ان دستاویزات میں کبھی کبھی Code words بھی ہوتے ہیں۔ ان Codes کا کوئی منطقی مطلب تبھی نکالا جا سکتا ہے یا اس کی جستجو کی جا سکتی ہے جب اردو کی اچھی جانکاری ہو۔ کبھی کبھی ان دستاویزات میں محاوراتی زبان کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس صورت میں محاوروں کی جانکاری بھی ضروری ہوتی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ ملک کے مختلف علاقوں میں عام محاوروں کی جانکاری ہو۔ اسی طرح بہت سے الفاظ کا اختصار کر کے انھیں ایسی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جنھیں پڑھ کر با آسانی کوئی مطلب نہ نکالا جا سکے اور پڑھنے والے کا اسے پڑھ کر گمراہ ہونے کا امکان ہو اور اس طرح فریقین کے مابین جو غیر قانونی معاملات چل رہے ہیں یا طے پا رہے ہیں ان کا پتہ نہ لگ سکے۔ آج جتنی زبانوں میں بھی سافٹ ویئر کا علم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ ہر اردو جاننے والے کے لیے اِن پیج کی جانکاری ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہماری ایڈمنسٹریٹیو سروسز، ایڈووکیٹس، یونیورسٹی کے طلبا، صحافی، سیاستداں، انسانی حقوق کے جہدکار، سماجی کارکن وغیرہ اردو سیکھ رہے

ہیں، کچھ NCPUL کے ذریعہ اردو لرننگ پروگرام کے توسط سے، کچھ یونیورسٹیوں کے ذریعہ مراسلاتی و فاصلاتی پروگرام میں حصہ لے کر اور کچھ گھر پر رہ کر ٹیوٹرس کے ذریعہ۔

ہمارا ٹورزم ڈپارٹمنٹ بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور ہمارے پڑوسی ملک پاکستان اور گلف کنٹریز سے اردو جاننے والے سیاح اچھی خاصی تعداد میں ہمارے ملک میں آرہے ہیں اور ان سے خاص طور پر ان لوگوں سے جن کو انگریزی نہیں آتی اردو یا آسان ہندی میں بات کرنی پڑتی ہے۔ جب ہم ان سے اردو میں بات کرتے ہیں تو انھیں اپنائیت محسوس ہوتی ہے اور وہ ہمیں اپنا سمجھتے ہیں۔ ویسے تو اب یہ ساری دنیا ہی گلوبل ولیج کی شکل اختیار کر چکی ہے اس میں ہر ملک اور ہر شخص ایک دوسرے کا پڑوسی ہے۔

ایسی صورت حال میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبۂ حیات سے ہو اردو الفاظ کی صحیح جانکاری حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے خاص طور سے تجارتی اداروں سے متعلق افراد کو کاروباری زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا چاہیے۔

تجارتی اداروں سے متعلق افراد کو تکنیکی اصطلاحات کا بھی مکمل علم ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی پروڈکٹس یا دیگر امور کی بابت اپنی بات سمجھاتے وقت ایسی صحیح اصطلاحوں کا استعمال کریں جس سے ان پروڈکٹس و امور کی بابت صحیح جانکاری دے سکیں۔ اس کے لیے انھیں جو بھی تجارتی مواد دستیاب ہوں اس کا انھیں مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ کسی بھی تجدیدی و ایجادی پیش رفت سے واقف رہیں۔ اس کے علاوہ انھیں کاروبار اور صنعتی امور سے متعلق مواد کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے چونکہ اس طرح کے مواد کے مطالعہ سے ہی نئی نئی اصطلاحات کا علم ہوتا ہے۔

ہم آخر میں NCPUL کو یہ سجھاؤ دینا چاہیں گے کہ وہ کمپنیوں، پارٹنرشپ، Negotiable Instruments، معاہدات و دیگر تجارتی امور سے متعلق قوانین کی جلد از جلد اشاعت کرے اور انھیں کتابوں و Commentaries کی شکل میں عوام کو دستیاب کرائے۔